جنوری 1989

قد افلح من تزکی وذکر اسم ربه فصلی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

المجاهد من جاهد نفسه — مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

(الحدیث)

ماہنامہ

المرشد

چکوال

بیاد

شیخ العرب والعجم صدیق دوراں مجدد طریقت مجتہد فی التصوف بحر علوم شریعت قلزم فیوض و برکات،

امام اولیاء، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

مقام اشاعت

دار العرفان ۔ منارہ ۔ ضلع چکوال

تصوّف کیا ہے؟

لُغت کے اِعتبار سے تصوّف کی اصل خواہ صوف ہو اور حقیقت کے اِعتبار سے اس کا رشتہ چاہے صفا سے جا ملے، اِس میں شک نہیں کہ یہ دِین کا ایک اہم شعبہ ہے جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیّت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصُولِ رضائے اِلٰہی ہے۔ قرآن و حدیث کے مطالعے، نبیِٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوۂ حسنہ اور آثارِ صحابہؓ سے اس حقیقت کا ثبوت مِلتا ہے۔

(دلائِل السُّلُوک)

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جلد: ۱۰ شمارہ: ۴

جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ — جنوری ۱۹۸۹ء

مدیر مسئول
پروفیسر حافظ عبد الرزاق
ایم اے (اسلامیات)، ایم اے (عربی)

مدیر
تاج رحیم

فہرست مضامین

بدل اشتراک

فی پرچہ	۱۰ روپے
چندہ سالانہ	۱۰۰ روپے
ششماہی	۵۵ روپے
تاحیات	۷۰۰ روپے
سری لنکا، بھارت، بنگلہ دیش	۲۰۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور مشرقِ وسطیٰ کے ممالک	۵۰ سعودی ریال
تاحیات	۳۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپی ممالک	۱۰ سٹرلنگ پونڈ
تاحیات	۵۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ اور کینیڈا	۲۰ امریکن ڈالر
تاحیات	۱۰۰ امریکن ڈالر

سول ایجنٹ:
اویسیہ کتب خانہ
الوہاب مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

طابع و ناشر: حافظ عبد الرزاق ○ مطبوعہ: شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور ○ مقامِ اشاعت: دار العرفان، منارہ، ضلع چکوال

اِدارِیہ

اللہ نے انسان کو اس قدر نعمتوں سے نوازا ہے کہ اس کا شکر ادا کرنے میں عمر صرف ہو جائے تو بھی کم ہے۔ اپنی مخلوق سے محبت اور پیار کا اظہار ربِ جلیل نے بے شمار انعامات، عُلوم اور ایجادات کی صُورت میں کیا ہے۔ انسانی بقا کیلئے گندم کے دانے سے لے کر سُورج کی روشنی اور حرارت تک مہیا کی ہے۔ وقت کے ساتھ انسان کو ایسے عُلوم سے آشنا کیا جن کے ذریعے انسان نے قدرت کے اب تک بہت سے پوشیدہ خزانوں کو دریافت کیا۔ ایٹمی توانائی سے لے کر الیکٹرونک کے جدید آلات تک، بائیسکل سے لیکر خلائی جہاز تک شامل ہیں۔ گدھے، گھوڑے کی سواری سے انسان کو اٹھا کر آرام دہ موٹر کار اور آواز سے تیز رفتار جہاز کی سواری میں بٹھایا۔ یہ سب کچھ تو اللہ کریم کی عطا ہے وہ انسان کی ضرورت کا بہترین علم رکھتا ہے۔ اور حسبِ ضرورت انسان کو ایسے عُلُوم سے نوازتا رہتا ہے کہ انسان کی زندگی میں ایک گونہ لُطف آرام اور رنگینی پیدا ہو۔ یہ نوازشات تو اس عظیم ہستی کی طرف سے ہیں جو اپنی مخلوق سے بے انتہا محبت اور شفقت کرتا ہے۔ کہ اسے انسان کی معمولی سے معمولی ضرورت تک کا خیال ہے۔ ایسا شفیق خالق کیونکر اپنی مخلوق پر عذاب نازل کرے گا اور اُسے تباہ کرے گا۔ اتنا پیار کرنے والا خالق تو کبھی ایسا نہیں چاہتا۔ اپنی تباہی اور بربادی کا سبب تو ہم خود ہی بنتے ہیں بخشش اور عطا اللہ کی طرف سے ہوتی ہے لیکن ہم اُسے اپنی طرف منسوب کر کے اپنی کامیابی، ذہنی اور زورِ بازو کا حاصل کہہ کر خود کو سُپر پاور تک کہلانے لگتے ہیں۔ افغانستان جیسے کمزور اور پسماندہ ملک میں نو دس سال قتل و غارت، تباہی اور بربادی مچانے والی سُپر پاور جو بے انتہا افرادی قوت اور جدید ترین مادی سہولیات رکھنے کے باوجود اپنے ہی ملک میں چند سیکنڈ کا جھٹکا برداشت نہ کر سکی۔ فرمایا! "اللہ نے زمین کو ایک جھٹکا دیا۔ صبح تک کوئی سیدھا کھڑا ہونے کے قابل نہ رہا" اور یہ سُپر پاور اپنے دشمنوں تک سے امداد کے لیے پکار اٹھی۔

ہم بحیثیت اشرف المخلوق کے کیا کرتے ہیں؟ خالق تو ہماری زندگی کو آسان اور آرام دہ بناتا ہے۔ ہم اُسے مشکل اور تکلیف دہ بناتے ہیں۔ وہ زندگی میں لطف اور رنگینی بھرتا ہے۔ ہم اُسے بدمزہ اور بدشکل بناتے ہیں۔ وہ انسان سے محبت کرتا ہے اور ہم اُسی انسان سے نفرت کرتے ہیں۔ آخر کیوں؟ شاید اس لیے کہ ہم نے اپنے اپنے لیے اور ہی خدا بنا لیے ہیں۔ کوئی سپر پاور بن گیا کوئی دوسروں کا مشکل کشا بن گیا۔ اور یوں انسان نے اپنے خالق کے ساتھ رشتے میں رخنے ڈال لیے۔ خود کو بدحال اور خستہ حال بنا لیا۔

اللہ کریم نے اپنی مخلوق کے ساتھ رشتے کو کبھی نہیں توڑا۔ اگر ہمیں اس رشتے جوڑے رکھنے کا سلیقہ آجائے، دل کے تار بجنے لگیں، اس میں سے "اللہ ھُو" کے سُر نکلنے لگیں تو خالق سے اپنے تعلق اور اپنے رشتے کی مضبوطی کا اندازہ خُود بخُود ہو جائے گا۔

"تاج رحیم"

اسلام

تاریخ کے آئینے میں

حضرت مولانا محمد اکرم

جہاں تک انسان کی معلوم تاریخ ہے وہاں تک مذاہب کی بھی تاریخ ہے، اور مذاہب کے نام پر کوئی نہ کوئی طریقہ، کوئی نہ کوئی رواج کوئی نہ کوئی عبادت جاری رہی ہے۔ جس طرح انسانی تاریخ قدیم ہے اسی طرح انسان بھی مذہب سے خالی نہیں رہا۔ حتیٰ کہ کسی بھی مذہب کو نہ ماننا بھی ایک مذہب ہے۔

کتاب اللہ میں ارشاد ہوا ہے کہ دین کے نام پر بے شمار تحریکیں، بے شمار مذاہب، بے شمار فرقہ جات ہوئے ہیں۔ لیکن اللہ کے نزدیک مقبول اور محبوب دین جو ہے اسلام ہے۔ اسلام کے علاوہ جتنی باتیں ہیں انسان اُن کے ساتھ خواہ جتنا بھی متعلق رہے ان میں انسانی کمالات نہیں ہوتے ہیں وہ محض باتیں ہی باتیں ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ صرف بات ہی نہیں رہتی بلکہ کفر، شرک تک پہنچ جاتی ہیں۔ حالانکہ ان کا نام بھی مذہب اور دین ہے۔ ہم اسلام کس بات کو کہیں گے؟ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے اسلام کی تعریف کیا ہے؟ جو کچھ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ کسی کام کو پسند فرمایا۔ کسی کام کو کرنے کا حکم دیا۔ کوئی کام خود اختیار کیا۔ کسی دوسرے شخص نے کوئی کام کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور پسند فرمایا۔ اسلام ہے، چوتھا کوئی راستہ ایسا نہیں ہے جس کے ذریعے کسی بات کو ہم اسلام کہہ سکیں۔ خواہ وہ بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ساری دنیا کر رہی ہو یا آپ کے وصال کے بعد ساری دنیا اسے اختیار کر لے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لیجانے کے بعد کسی طرح کی کمی یا بیشی کا کوئی جواز نہیں ہے کہ کسی چیز کو اسلام میں داخل کرے یا کسی بات کو خارج کرے۔ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ اور اسلام سارے ارشادات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس کے بعد مختلف حادثات، مختلف واقعات، زمانے کے نشیب و فراز، دین میں کوئی کمی یا بیشی کرنے کے مجاز نہیں ہیں اس کے علاوہ کسی چیز کو رواج تو کہہ سکتے ہیں، مگر دین نہیں۔ اب رواج کے طور پر جو بات اپنائی جائے گی یا اپنائی جا رہی ہے کیا دین میں اس کی اجازت ہے۔ یا جو کام کیا جا رہا ہے دین میں اس کی اجازت دی گئی یا سختی سے منع کر دیا گیا ہے۔

ان باتوں کا جائزہ لیا جائے تو مسلمان ریاستوں میں دین کو جس طریقے سے اپنایا جا رہا ہے تو اس کا کوئی جواز دین اسلام میں اسطرح سے ہے ہی نہیں۔

محرم کا مہینہ ان مہینوں میں سے ہے جنہیں حرمت کا مہینہ کہا جاتا ہے۔ مہینوں کی حرمت، دین ابراہیمی میں تھی اور دین ابراہیمی کی کچھ عبادتیں جو مشرکین مکہ کے پاس تھیں ان میں یہ بات بھی تھی کہ حرمت والے مہینے کون سے ہیں۔

یہود کا طریقہ تھا کہ محرم کی دسویں کو روزہ رکھا کرتے تھے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں سے گزرنے کا راستہ جس دن دیا گیا تھا وہ دسویں محرم کا دن تھا۔

ابتدائے اسلام میں جب تک روزے فرض نہیں تھے تب تک اسطرح کے نفلی روزے رکھنے کی صحابہ کوشش کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی محرم کی دسویں کا روزہ رکھنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ نویں یا گیارہویں کا ساتھ ملا کر روزے رکھے تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو عاشورے کا روزہ یہودی رکھتے ہیں۔ اگر مسلمان بھی رکھیں

سگے تو اس میں تشبہ بالیہود ہے اس لیے جائز نہیں۔ کیونکہ کفار
کے ساتھ مشابہ جائز نہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب
رمضان المبارک فرض نہیں ہوا تھا۔ جب مسلمانوں پہ روزے
فرض ہو گئے تو مسلمانوں کی ساری توجہ رمضان المبارک کے مقدس
مہینے کی طرف ہو گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے وصال کے بعد
عہد خلافت شروع ہوتا ہے اور خلیفہ رسول ابوبکر صدیق رضی اللہ
تعالٰے عنہ کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ کو
جب خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کہا گیا تو آپ
نے سختی سے منع کر دیا۔ خلافت رسالت ابوبکر کا حق ہے میں
ابوبکر کا خلیفہ ہوں،
۔اس لیے آپ مجھے امیر المومنین کہا کریں ۔
خلافت رسالت صرف اس کا حق ہے جو رسول اللہ صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم کے بعد تھے۔

یہ خلفائے راشدین کیسے لوگ تھے اور انہوں نے کیا
کچھ نہ دیا۔ اس کے لیے صرف ایک بات کا کہہ دینا کافی ہے
کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے
یہ اعلان فرمایا کہ جزیرۃ العرب کی دور دراز بستی میں جس تک
پہنچنا بھی آسان نہیں تھا۔ جب موٹر نہ تھی، لاری نہ تھی، جہاز نہ تھا
اخبار نہ تھا، ریڈیو نہ تھا، ٹیلیویژن نہ تھا۔ ٹیلیفون نہ تھا۔ زیادہ
سے زیادہ تیز رفتار سواری اونٹ تھا یا گھوڑا تھا۔ اس کے علاوہ
کسی سواری کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسی زمانے میں نبی رحمت
صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم ایک دور دراز کی بستی میں مبعوث
ہوتے ہیں اور اعلان فرماتے ہیں یا ایہا الناس انی رسول اللہ
علیکم جمیعا:۔ اے اولاد آدم تم جہاں تک بستے ہو شمال
ہو یا جنوب، میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول مبعوث ہوا
ہوں۔ اس وقت یہ بات کوئی آدمی سمجھ ہی نہیں سکتا تھا رسول
کی رسالت کی خبر ساری اولاد آدم تک کیسے پہنچے گی۔

آپ اس دور کی تاریخ کو، ان حالات کو دیکھیں تو
انسان کا دماغ چکرا جاتا ہے کہ اس دور دراز بستی میں اللہ کا
رسول مبعوث ہوا جو حق ہے کہ ساری انسانیت کی طرف مبعوث
ہے۔ لیکن ساری انسانیت کو بتائے گا کون؟ جب نبی کسی
قوم کی طرف مبعوث ہوتا ہے تو اس قوم کے سامنے اپنی نبوت
کو پیش کرنا، فرائض نبوت میں سے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوتے ہیں تو فرعون
کے دربار میں جا کر اپنی نبوت کا برملا اعلان کرتے ہیں کسی قوم
کی طرف اللہ کا کوئی نبی مبعوث ہوتا ہے تو قوم کے سردار یا حکمران
کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے، قوم کے سامنے اپنے
آپ کو پیش کرتا ہے۔ اپنی دعوت کو پیش کرتا ہے اور اللہ کریم
کی عطا کردہ تعلیمات کو پیش فرماتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم ساری انسانیت کی طرف مبعوث ہوئے تو ساری
انسانیت تک اپنی تعلیمات، اپنا دعویٰ نبوت اور اس کے
دلائل و براہین کو پہنچانا فرائض نبوت ہیں۔

تیرہ سال مکہ مکرمہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بسر
فرماتے ہیں اور دس سالہ عہد نبوت مدینہ منورہ کی زندگی ہے۔
اس دور میں جزیرۃ العرب اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ چند
حکمرانوں تک، چند بادشاہوں تک سفارت کے طور پر حضور اکرم
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیغام دیتے ہیں۔ لیکن حضور صرف بادشاہوں
کی طرف مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ جنگلوں، صحراؤں، بیابانوں
میں رہنے والی مخلوق، جھونپڑیوں اور شہروں میں بسنے والے
لوگ، وہ سب اس بات کے مستحق تھے کہ ان تک آپ کی نبوت
کی خبر پہنچے، آپ کی بات پہنچے، اور آپ کا پیغام پہنچے۔ تیئیس سالہ
نبوی حیات مبارکہ میں قرآن حکیم نازل ہوتا رہا اور جب قرآن حکیم
کا نزول مکمل ہوا اور اللہ کریم نے ارشاد فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ
لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا :

تمہارا دین مکمل کر دیا گیا وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ اور
میں نے اپنے انعامات اس قدر لٹا دیئے جس قدر انسان ذات
باری سے لینے کا تصور کر سکتا ہے ورضیت لکم الاسلام دینا
اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند فرما لیا۔

اس آیت کے نزول کے اسی یا اکیاسی دن بعد نبی رحمت
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چشم عالم سے پردہ فرما لیا۔ یہاں سے
سیدنا ابوبکر، عمر و عثمان رضوان اللہ تعالٰے علیہم اجمعین کا تعارف
شروع ہوتا ہے۔ یہ تین ہستیاں وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے
دعوت نبوت کی تکمیل کر دی۔ جن سے اللہ کریم نے یہ کام لیا۔
تیئیس برس میں، قرآن نازل ہو کر مکمل ہوا تھا۔ اور وصال نبوی
کے بعد تیئیس برس میں ان تین ہستیوں کے طفیل حضور کی
دعوت مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پہنچ گئی یعنی

وہ کٹھن مرحلہ جسے انسانی عقل سوچنے سے عاجز ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ اس زمانے میں جس میں کوئی ٹرانسپورٹ نہیں تھی۔ کوئی ذرائع ابلاغ نہیں ہے۔ کوئی سفر کرنے کا نیا طریقہ نہیں ہے کس طرح روئے زمین پر حضور کی دعوت پہنچے گی یہ کام رب کریم نے تین ہستیوں ابوبکر و عمر و عثمان رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین سے لیا کہ یہ بھی عہد رسالت ہے کہ سلطنت اسلامی چین سے لے کر ہسپانیہ تک اور سائبیریا سے لے کر جنوبی افریقہ تک پھیل گئی۔ اور انسانی تاریخ میں یہ واحد سلطنت ہے کہ ایک ریاست کی حدود بیک وقت اتنی وسیع زمین تک پھیل گئیں نہ اس سے پہلے اتنی بڑی سلطنت بیک وقت کسی کے پاس ملتی ہے اور نہ خلفائے راشدین کے بعد بیک وقت کسی امیر کے پاس اتنی بڑی سلطنت ملتی ہے اتنی بڑی سلطنت جس کی سرحدیں سائبیریا کو چھو رہی ہوں اور جنوبی افریقہ نصف تک جس میں شامل ہو چکا ہو۔ جبکی سرحدیں ہندوستان سے گزر کر چین کو چھو رہی ہوں اور یورپ کو روندتی ہوئی سپین کے پرے سرحدوں تک جس میں اذانیں ہو رہی ہوں اور کہا جا رہا ہو۔

اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمد رسول اللہ۔

وہ لوگ کتنے بہتر تھے اپنے نبی کے فرائض نبوت پہنچانے والے تھے اب آپ اندازہ کر لیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے مقابلے میں تاریخ انسانی کوئی دوسرا آدمی پیش نہیں کر سکتی۔ نہ کوئی حضور کے علاوہ ساری انسانیت کی طرف نبی مبعوث ہوا نہ اُس کو یہ ضرورت پیش آئی اور نہ اس کے کسی ماننے والے نے یہ طریقہ اختیار کیا اسطرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا عہد خلافت آتا ہے۔ جس میں شاید اس بات کو باہر پھیلانے کی ضرورت تو نہ رہی تھی لیکن استحکام کی ضرورت تھی جو شومئی قسمت سے امت مسلمہ کو حاصل نہ ہو سکا اور تھوڑا سا عہد خلافت جو تھا وہ بھی خانہ جنگی اور آپس کے جھگڑوں اور طرح طرح کی مصیبتوں کی نذر ہو گیا۔

اسلام کے خلاف اسلام ہی کے نام پر زیر زمین ایک تحریک شروع ہو چکی تھی جو اتنی شدید تھی کہ اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جیسے شخص کو پابہ زنجیر کر دیا۔ انہیں بھی باہر نکلنے نہیں دیا۔ اور یہ انہیں کی ہمت ہے کہ انہوں نے حدود اسلامی کو بڑھایا نہیں تو سمٹنے بھی نہیں دیا۔ ورنہ یہ وہ تحریک تھی جو اس دور میں اسلامی ریاست کے پرخچے اڑا دیتی۔ اور ایک سلطنت کی بیس سلطنتیں نظر آتیں۔ اور مسلمان تقسیم ہوتے چلے جاتے کسی نے یہ سوال حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے رو برو کیا تھا۔ کیا بات ہے کہ آپ سے پہلے جتنے خلفاء ہوئے ہر خلیفہ وقت کے عہد میں اسلامی حکومت کی حدود بڑھتی گئی اور آپ کے زمانے میں فتوحات رک گئیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے ماتحت ان کی رعیت میرے جیسے لوگ تھے اور میری رعیت تمہارے جیسے لوگ ہیں۔ وہ اس لیے کامیاب ہوئے تھے۔ یہ بھی کمال ہمت ہے کہ انہوں نے حدود سلطنت کو سمٹنے نہیں دیا۔

اور پھر اس کے بعد سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی باری آتی ہے انہوں نے تھوڑے سے تجربے کے بعد عنان حکومت حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سپرد کر دیا۔ اور ان کے اس تاریخی فیصلے سے ایک دفعہ پھر حدود سلطنت اسلامی بڑھتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ پہلا بحری جہاد مسلمانوں نے تیار کیا اور سمندروں کے راستے کفر کا مقابلہ کرنا اختیار کیا اور سلطنت اسلامی کی حدود پھیلنی شروع ہوئیں۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سلطنت اسلامی پر یزید حکمران آئے۔ یہاں پہنچ کر بے شمار چیزیں دین کے نام پر ہماری زندگی میں داخل ہو جاتی ہیں۔ جن کا دین سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔

یزید کو شاید آپ میں سے اکثر لوگ نہ جانتے ہوں۔ یزید اموی خاندان میں سے ہے وہ خاندان مکہ معظمہ میں رہتا تھا۔ یزید کی بیوی ام محمد حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کی بیٹی ہے اور حضرت زینب، حضرت حسین کی سگی بہن، حضرت فاطمہ کی بیٹی عبداللہ بن جعفر طیار کی بیوی ہے۔ یعنی بی بی زینب کی سوتیلی بیٹی یزید کی بیوی ہے۔ واقعہ کربلا کے بعد بی بی زینب ساری عمر یزید کے پاس رہی، وہیں فوت ہوئی۔ وہیں دفن ہوئی۔ آج بھی ان کا مزار وہیں موجود ہے۔ سانحہ کربلا کے بعد باقی لوگ مدینہ واپس چلے گئے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن جعفر طیار نے روانگی کے وقت بی بی زینب کو منع کیا تھا کہ اگر امام حسین بات نہیں مانتے کیونکہ کوفی قابل اعتبار نہیں ہیں۔ تو میں آپ کو اجازت نہیں دیتا انہوں نے آپ کی بات نہ مانی اور کہا میں ضرور جاؤں گی تو انہوں نے کہا

اگر آپ مرتد ہو جائیں گی تو میری طرف سے آپ کو طلاق ہے۔ وہ واپس نہ گئیں۔ کیونکہ خاوند کی طرف سے طلاق ہو چکی تھی تو انہوں نے بیٹی کے ساتھ دمشق میں رہنا پسند فرمایا اور وہیں رہیں۔ وہیں فوت ہوئیں، وہیں دفن ہوئیں۔

یہ جو شمر کو گالیاں دیتے ہیں اس کی سگی بہن حضرت علی کی بیوی تھیں۔ شمر کی بہن حضرت علی کی چہیتی بیوی تھی اور بڑی عجیب بات ہے کہ بغیر جانچے بغیر کسی کا تعارف سمجھے بغیر نسب جانے ان کو گالیاں دیتے ہیں۔ مذہب ہے گالیاں دینا؟ حالانکہ اسلام میں بنیادی طور پر گالیاں دینے سے منع کر دیا گیا ہے۔ کسی نے گالی نہیں دی مکی زندگی میں، کسی مشرکین کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گالیاں نہیں دیں نہ بددعائیں دیں۔ اس کی اجازت نہیں دی۔

اس حال میں کہ تمام مشرکین عرب نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کر رکھا تھا مہینے سے زیادہ یہ گھیرے میں لیے رکھا اور یہ حالت تھی مسلمانوں میں کہ تین ہزار کی بستی میں بیشتر لوگ فاقے کر رہے تھے۔ عرب کا یہ رواج تھا کہ جب پیٹ خالی ہوتا تو پتھر پیٹ پر رکھ کر اوپر چادر کھینچ کر باندھ دیتے تاکہ درد نہ ہو تو ایک صحابی نے اپنا پیٹ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھایا تو آپ نے اپنا کرتا مبارک اٹھا دیا تو آپ کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ لیکن ان کافروں کو جو گھیرے میں لے کر بیٹھے تھے کسی نے گالی دینے کا حکم نہیں دیا۔ اجازت نہیں دی۔ کسی نے گالی نہیں دی۔

جو اس سارے حادثے کا سبب بنتا ہے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مظلومانہ شہادت، اور یہ شہادت بھی پوری تاریخ انسانی میں اپنی نظیر آپ ہے۔ صرف آپ شہید نہیں ہوئے آپ سے پہلے لوگ شہید ہوئے۔ سید الشہداء جو کہا جاتا ہے یہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں عطا فرمایا کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو حضورؐ کے چچا تھے احد میں شہید ہوتے یہ ان کا لقب ہے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ایک انداز سے عجیب ہے ورنہ ان سے بہت عظیم مرتبے والے لوگ حتیٰ کہ نبی تک ظلماً شہید ہوتے رہے کافروں نے انبیاء کو شہید کیا۔ بنی اسرائیل کی تاریخ میں ملتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک ایک دن میں اللہ کا ستر ستر نبی ذبح کر دیا۔ سب سے عجیب بات جو حضرت امام حسین کی شہادت میں ہے وہ یہ ہے کہ کسی نبی یا کسی ولی کے خاندان کو ان لوگوں نے شہید نہیں کیا۔ جو اس نبی کے امتی ہونے کے مدعی ہوں۔ یہ عجیب بات ہے کہ کوئی ایسا گروہ جو دعویٰ کرتا ہو کہ میں اسی نبی کا امتی ہوں، خادم ہوں، غلام ہوں اور اسی نبی کے پورے خاندان کو ذبح کر دے یہ انفرادی واقعہ ہے پوری تاریخ میں۔

تو اس واقعہ کا ذمہ دار تلاش کرنا پڑے گا۔ جو دعویٰ تو کرے نبی کے امتی ہونے کا اور حقیقتاً نبی کے خلاف ہو۔ نبی کے دین کے خلاف ہو۔ نبی کی تعلیمات کو مٹانا چاہتا ہو۔ نبی کے دین کو مٹانا چاہتا ہو۔

یہی وہ تحریک ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے زمانے میں زیر زمین چل رہی تھی اسی تحریک کا دامن سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون سے داغدار ہے یہی وہ تحریک ہے جو اس قاتل کو اپناتی ہے جو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا سبب بنا اور یہی وہ تحریک ہے جس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ...... کو شہید کیا اور یہی وہ تحریک ہے جس نے سازش کر کے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور انہی لوگوں نے جنہوں نے بلایا انہی نے ظلماً شہید کر دیا اور شہید کرنے کے بعد ۔ اپنی تحریک کو ایک مذہبی رخ دینے کیلئے ایک پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کیا۔ اور ایک ایسا رخ استعمال کیا کہ اس کلمے کے مقابل جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا تھا۔ اس کے مقابلے میں انہوں نے ایک اور کلمہ بنا کر اسے کلمہ اسلام کا نام دے دیا۔ جو کتاب نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لائے تھے اس کے بارے میں اس تحریک نے وہ عقیدہ پیش کیا یہ کتاب دنیا سے معدوم ہو چکی ہے اور اس کی جگہ اب اور ہو گی یہ وہ تحریک ہے۔ نماز کے مقابلے میں نماز روزے کے مقابلے میں روزہ حج کے مقابلے میں۔ حج حلال کے مقابلے میں حلال یعنی پورے کا پورا متوازی دین بنا کر وہ اسلام جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تھا اس کے مقابلے میں ایک نیا اسلام ایجاد کر کے پیش کر دیا۔ اور سارے کام کے بدلے قتل حسین کو پلیٹ فارم کے طور پر پیش کیا۔

تاریخی اعتبار سے واقعہ کربلا کی تاریخ ثابت ہی نہیں ہوتی دس محرم کو۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ساتحہ کربلا

کے چشم دید گواہ یا وہ مستورات ہیں جو خانوادہ نبی کی زندہ بچیں۔ جن میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی دوسری بہن ام کلثوم زوجہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چھوٹی بیٹی ام کلثوم فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی۔ مردوں میں حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے تھے زندہ بچے، کم سن تھے۔ اور بیمار تھے۔ چارپائی سے اٹھ نہ سکتے تھے اس کے علاوہ جو وہاں موجود تھے۔ خاندان نبوت میں سے کوئی آدمی زندہ نہیں بچا، مستورات اور زین العابدین کے علاوہ۔

مورخین سولہ سے لے کر بائیس تک کی روایات لاتے ہیں بعض سولہ بعض اٹھارہ بعض بائیس۔ یہ افراد خانوادہ نبوت کے تھے جو کربلا میں شہید ہوئے باقی بہتر مرے یا اٹھہتر مرے سب کوفے والے تھے۔ بلانے والے بھی وہیں تھے۔ قتل کرنے والے بھی وہاں تھے۔ یہ جو بہتر تن بتاتے ہیں سب جھوٹ بولتے ہیں۔ بہتر نہیں تھے۔ ساٹھ آدمی کوفے سے بلانے بھیجے تھے اور تئیس یہ تھے۔ اس کا مطلب ہے تراسی آدمی بنتے ہیں جن میں سے ایک زین العابدین بچ گئے۔ اور کوفے والے ساٹھ میں سے نہ جانے کون وہاں مرا اور کون زندہ بچا اور کون شامل ہوا۔ کیونکہ سب ایک ہی تھے بلانے والے بھی وہاں تھے۔

اب طبری بھی یہاں لکھتے ہیں کہ یہ ساٹھ آدمی بھی حج کی غرض سے گئے۔ حضرت حسین تین مہینے پہلے سے مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ چونکہ مکہ مکرمہ پر حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی اور انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی۔ وہ حضرت امام حسین کی شہادت کے وقت بھی امیر تھے۔ مکہ مکرمہ کے یزید مر گئے حکومت حضرت عبداللہ ابن زبیر کے پاس رہی تھی۔ مروان حاکم ہوا وہ فوت ہو گیا حکومت ابن زبیر کے پاس تھی۔ مروان کا بیٹا عبدالحکم بن مروان جب حاکم بنا تو اس کے بھی کہیں نصف کے بعد حجاج بن یوسف نے مکہ پر حملہ کر کے ابن زبیر کو شہید کیا اور مکہ مکرمہ کو اس کی حکومت میں شامل کیا۔ اس عرصے تک مکہ مکرمہ پر بنو امیہ کو کوئی کنٹرول حاصل نہیں تھا۔ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تک وہاں حکمران تھے۔ حضرت حسین مکہ مکرمہ میں مقیم تھے [illegible] کوفے ساٹھ آدمی بلانے [illegible]

البدایہ والنہایہ والا لکھتا ہے کہ آٹھویں ذوالحج صبح کے وقت حضرت حسین طواف کعبہ کر رہے تھے اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں منع فرما رہے تھے کہ آپ ان کوفے والوں پر اعتبار نہ کریں۔ انکے ساتھ جانے کا ارادہ ترک کریں۔ آٹھویں تاریخ ذوالحج ہے جب ہر آدمی طواف کعبہ کر کے منیٰ کا رخ کرتا ہے اور ظہر کی نماز منیٰ میں جا کر پڑھتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کون سی مصیبت تھی کہ آٹھویں کا طواف کر کے چلے آتے پھر وہ لوگ جو بلانے گئے تھے وہ حج کی نیت کر کے گئے تھے۔

تو آٹھویں کو آپ منیٰ تشریف لے جاتے ہیں نویں کو عرفات میں رات مزدلفہ میں آتی ہے۔ دسویں کو واپس آتے ہیں، دسویں گیارہویں، بارہویں تین دن عرفات کا قیام ہے اور اگر بارہویں شام کو نکلیں تو چوبیسویں منزل بنتی ہے کربلا اور ایک منزل روزانہ کرنا یہ فوج کا کام ہے۔ سول کا کام نہیں کہ کوئی آدمی ایک منزل روزانہ کے حساب سے کرے۔ بیوی بچوں کے ساتھ بلکہ فوج بھی نہیں کرتی تھی فوجیوں کے قاصد کرتے تھے جن کے گھوڑے منازل پہ تبدیل کر دیے جاتے تھے یا پیغام پہنچانے کے لیے قاصد تبدیل کر دیے جاتے تھے۔ کہ اگلی منزل میں اگلا قاصد پیغام لے کر چلا جاتا ہے۔

لیکن اگر یہی قبول کریں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیوی بچوں سمیت روزانہ ایک منزل کا سفر کیا تو آپ چوبیس دن چودہ دن یا سولہ دن ایڈ کر دیں اور آٹھ دن محرم کے نکالیں تو اگر ایک منزل روزانہ کریں تو نویں محرم کو کربلا پہنچتے ہیں۔ جو ویسے محال ہے کہ وہ ایک منزل روزانہ نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر یہ مانا جائے کہ ضرور چلے تو نویں محرم تو پہنچے تو پانی کس نے بند کیا۔ کوئی یہ تجربہ کر کے نہیں دیکھتا کہ خیمے لگا۔ نہ جاتے ہیں دریا۔ دریا کے پانی کو میل میل تک کوئی زیر زمین جانے سے روکے۔ دریا کے کنارے آپ پانچ فٹ تک دس فٹ تک خیمہ لگالیں اور مٹی ادکھاڑیں پانی آجائے گا۔ دریا کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ اس کے دونوں کنارے دور تک سیراب ہوتے ہیں۔ شیعہ کتابوں میں موجود ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیمے کے نیچے نماز پڑھتے تھے تو مصلے کے نیچے پانی آجاتا تھا اور یہ دریا کے کنارے ہوتا ہے آپ ریت پر کھڑے ہو کر اسے ہلانا شروع کریں پانی آجائے گا۔ عجیب تر بات ہے کہ یہ کربلا کا جو میدان ہے جس کا رولا ہے۔ کسی نے پوچھا ہے کہ کہاں واقع ہے۔ یہ مکے سے کوفے کے راستے پر واقع ہے۔ کوفے سے دمشق کو جو راستہ جاتا ہے اس پر تیسری منزل ہے کربلا۔ یہ

حضرت حسین مکے سے کوفے جاتے ہوئے شہید نہیں ہوئے بلکہ کوفے سے دمشق جاتے ہوئے شہید کئے گئے۔ اور دمشق دارالسلطنت تھا۔ کوفہ والوں نے جب رد کا اور مطالبہ کیا کہ بیعت کریں یزید کی۔ آپ نے فرمایا مجھے تو تم نے بلایا تھا۔ اور تم یزید کی بات کرتے ہو تو میں تمہاری بات نہیں سنتا۔ اور چلو اب یزید کے پاس چلتے ہیں میں اس کے ساتھ فیصلہ کرلوں گا۔ وہ مجھے چھوڑتا ہے قتل کرتا ہے ہماری صلح ہوتی ہے جنگ ہوتی ہے۔ جو ہوگی یزید کے ساتھ بالمشافہ ہو جائے گی۔ تمہاری یہ حیثیت نہیں ہے کہ تم مجھ سے بیعت کا مطالبہ کرو۔

چنانچہ یہ قافلہ کربلا سے تین منزل دور کوفے والوں نے ہی روکا تھا۔ کوفے داخل نہیں ہوتا۔ کوفے کے پاس سے نکل کر اس راستے پر ہو جاتا ہے جو کوفے سے دمشق کو جانے والے راستے پر واقعہ ہے کربلا اس منزل پر مکے سے کوفے کے راستے کو چھوڑ کر دمشق کے راستے پر اس اتفاق سے پہنچے ہیں کہ سب مل کر یزید کے پاس چلتے ہیں وہاں فیصلہ ہوگا۔

کربلا میں جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑاؤ فرمایا۔ خواہ وہ کوئی دن بھی تھا۔ یہ نویں دسویں نہیں ہے۔ اس کے بعد کا کوئی دن ہوگا۔ یہ دسویں محرم انہوں نے گھسیٹ کر اس لیے مقرر کی کہ دسویں محرم کی شہرت پہلے سے تھی ماہ الحرام تھا۔ عاشورہ محرم کا ایک تقدس پہلے سے تھا اس میں شہادت حسین کو شامل کر کے ایک خاص تقدس بنایا جائے ورنہ یہ واقعہ لعبد کا ہے حضرت حسین کی شہادت دسویں محرم کو کسی طور پر ممکن ہی نہیں کہ فاصلے اور وقت کا اندازہ جمع تفریق کر کے لگالیں۔ ممکن ہی نہیں۔ منازل موجود ہیں راستہ موجود ہے۔ آپ اچھے سے اچھا گھوڑا اچھے سے اچھا اونٹ لے کر اتنے دنوں میں پہنچ کر دیکھیں۔ اسی راستے پر پکی سڑک بن گئی ہے جو مکہ مکرمہ سے کوفے کو جاتا ہے وہ منازل وہاں ہیں اور وہی سڑک موجود ہے جو کوفے سے دمشق کو جاتی ہے۔ جس کو یقین نہیں آتا وہ مکہ مکرمہ سے گھوڑے پر بیٹھ جائے اور یہ منازل طے کر کے دسویں نویں تک پہنچ کر دیکھے۔ ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ پھر ایک تاریخی حادثہ ہے کہ اسے اپنے سیاق و سباق سے اکھیڑ کر محرم کی دسویں میں داخل کر دیا گیا اور اب محمد خاں جونیجو سے لیکر ہمارے غریب ملاں تک ساری محفل رو رہی ہے۔ پتہ کسی کو نہیں ہے کہ دسویں محرم کو کیا ہوا کیا نہیں ہوا۔ ایک دوسرے کے آنسو پونچھ رہے ہیں۔ سارے رو رہے ہیں حکومت سے لیکر عام مولوی تک یہ کسی کو فرصت نہیں ہے یہ پوچھنے کی کہ دسویں کو کچھ ہوا بھی تھا یا نہیں۔

تو میرے بھائی یہ تو انہوں نے کوشش کی اس چیز کی تو میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا جو بات میری سمجھ میں آئی جو مظلومانہ شہادت کی آئی۔ اہل کوفہ جو رد کرنے والے تھے حضرت کو بہت غصہ آیا۔ عجیب لوگ ہو میں آرام سے بیٹھا تھا تم نے بلایا تو جب میں یہاں پہنچا۔ تو تم نے یزید کی طرف ہونے کا اعلان کر دیا۔ اب مجھے ایک قیدی کی حیثیت سے گھیر کر لے جا رہے ہو اب میرے پیچھے نمازیں پڑھنا یہ کیا تماشہ ہے۔ تو تم کس طرز حیات کے کس مذہب کے ہو۔

تو انہوں نے عرض کی حضرت ہم نے تو آپ کو نہیں بلایا آپ اپنی مرضی سے آئے ہیں حضرت نے حکم دیا کہ ایک خرجین لائیے اس میں خطوط بھرے ہوئے تھے اور مورخین کہتے ہیں کہ بعض خط ایسے تھے کہ ایک ایک خط پر پچاس پچاس سفید پوشوں کے دستخط تھے کہ آپ ضرور آیئے یزید کسی طرح حکومت کا اہل نہیں آپ ہماری قیادت کریں گے۔ آپ نے وہ خط دکھائے اے فلاں یہ تمہارا نام نہیں ہے یہ تیرے دستخط نہیں ہیں وہ خاموش ہو کر اٹھ گئے اور انہوں نے کیمپ میں جا کر فیصلہ کیا کہ تم یزید کے پاس حسین کو نہیں لے کر جا رہے ہو اپنی موت لیکر جا رہے ہو اور جب سر دربار یہ خط سنیں گے تو تم میں سے کوئی زندہ واپس نہیں ہوگا۔ یہ وہ سبب تھا جس نے انہیں مجبور کر دیا شہادت حسین پر اور اسی دن ڈوبتے سورج نے دیکھا کہ یکبارگی سارے لشکر نے یلغار کر دی۔ اور خاندان نبوت کے بیس بائیس افراد تھے۔ ان کو ظلماً شہید کر دیا۔ خیمے گرائے خورجینیں تلاش کیں اور ان خورجینوں کو ان خطوط کو وہاں جلایا جو آج کہا جاتا ہے خیمے جلائے۔ خیمے جلا کر انہوں نے کیا ثواب کمانا تھا انہوں نے تو وہ خطوط اور سامان جلانا تھا جو ان کے خلاف شہادت بن رہا تھا۔ اس افراتفری میں خیمے بھی گرے۔ معصوم شیر خوار بھی شہید ہوتے اور وہ ظلم جس کا تصور کیا جا سکتا ہے اس کے چشم دید گواہ وہ ظالم ہی ہیں وہاں مظلومین ختم شہید ہو گئے حضرت زین العابدین چارپائی سے اٹھ نہیں سکتے تھے۔ اور مستورات نبوی۔ یہ تو وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی آنکھیں ہوتی ہیں لیکن اندھے ہوتے ہیں۔ نہ انہوں نے کسی نامحرم کا چہرہ دیکھا اور نہ انہوں نے کسی نامحرم کو پشت پر سے دیکھا۔ یہ لوگ اپنی آنکھوں سمیت اندھے ہوتے ہیں۔ حضرت زین العابدین سرطان کے بخار میں

مبتلا تھے چارپائی سے اٹھ نہیں سکتے تھے۔

آج کا مسلمان روس جیسی عالمی طاقت کے مقابلے میں کھڑا ہو سکتا ہے اس وقت کے مسلمان جب ابھی صحابہ موجود تھے۔ تابعین کا جم غفیر موجود تھا۔ انہیں حضرت حسین جنگ کی دعوت دیتے تو ایسے گئے گزرے تھے کہ ان کے ساتھ کوئی نہ آتا انہیں بلایا ہی اہل کوفہ نے، اہل کوفہ نے ہی ان کا راستہ روکا تو انہوں نے فرمایا کہ تم ایسا کرو میں تمہارے ساتھ یزید کے پاس چلتا ہوں۔ وہاں دیعت کر لوں گا۔ یہ فیصلہ قبول کر کے انہیں احساس ہوا کہ یہ تو اپنی تباہی لے کر جا رہے ہیں اور بغیر کسی اعلان کے بغیر کسی مخالفت کے بغیر کسی شک کے جن لوگوں نے آپ کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھی تھی، عصر کی نماز سے پہلے پہلے وہ آپ کے خاندان جفاکش تھے اور اتنا ہی مقابلہ ہوا جو ہزار بارہ سو کے منظم لشکر کا پندرہ بیس آدمی کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا۔

پھر سوال یہ ہے کہ انہوں نے جو آج مزار بنا رکھے ہیں اس کا کوئی وجود نہیں ہے کہ کونسا وجود کہاں دفن ہے، سو میلوں تک کوئی انسان نہیں تھا وہاں کوئی آبادی نہیں تھی۔ تیسرے دن، سارے مورخین لکھتے ہیں، چرواہوں، خانہ بدوشوں کو یہ بات چلتے چلتے تیسرے دن پہنچی کہ کوئی قافلہ تھا وہ یہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ اور اس کے مقتول جو ہیں وہ صحرا میں پڑے ہیں تو انہوں نے وہاں آکر تصدیق کی تو پتہ چلا خانوادہ نبوت تھا تو انہوں نے دو اجتماعی قبریں کھود کر دفن کر دیا۔ اور کسی کی علیحدہ علیحدہ قبر نہیں بنائی گئی۔ یہ آج کل جو سب بدعتے ہیں۔ یہ لوگوں کی عزتیں، لوٹنے کیلئے لوگوں کی دولت لوٹنے کے لیے ہیں۔ لوگوں کا ایمان لوٹنے کے لیے بنے ہوئے ہیں۔ کسی کے پاس تاریخی طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی قبر کا بھی نشان نہیں ہے۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد جب ان کا تابوت لے کر مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے تھے تو انہیں راستے میں ڈاکوؤں نے لوٹا اور تابوت چھین کر فرار ہو گئے کہ شاید اس میں انہوں نے شاہی خزانہ رکھا ہوا ہے اس کے بعد کوئی نہیں جانتا کہ جب ڈاکوؤں نے [illegible] کر دیکھا تو اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا جسد اطہر تھا۔ تو اس کو انہوں نے کہاں دفن کر دیا۔ یہ ان ڈاکوؤں کو پتہ ہو گا جنہوں نے قافلہ لوٹا پوری تاریخ میں کوئی شیعہ کوئی سنی مورخ ثابت نہیں کر سکا۔

بے دینی سمجھتے ہوئے عمل کرنا گناہ ہے۔ اور اسے دین سمجھنا کفر ہے۔ خدا کے لیے میں یہ نہیں کہتا کہ ان لوگوں کو قتل کرو، بلکہ میں یہ ضرور کہوں گا کہ آپ ان کی رونق نہ بنیں، ان کو پیسے نہ دیں بلکہ دوسرے مسلمانوں کو روکیں کہ یہ جب گناہ کر رہے ہیں تو آپ تائید کرتے ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یہ بھانگی چرسی زانی جو ہیں ان میں محبت حسین ہو گئی گیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے یہ پیارے ہیں۔ اسی طرح یہ بھانگی چرسی شرابی زانی فاسق فاجر اور اس طرح کے لوگ پیدا ہوں۔

کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالے عنہ کی شہادت سے جو دین اللہ کے رسول نے عطا فرمایا وہ بدل دیا جائے، قرآن کا نفاذ بدل دیا جائے۔ نماز روزہ حج و زکوٰۃ اسلام بدل دیا جائے اسی لیے حضرت حسین رضی اللہ تعالے عنہ شہید ہوئے تھے؟

وہ لوگ جو فریضہ نبوت نبھانے میں حضور کے شریک کار اور خادم تھے۔ وہ خادم جنہوں نے فرائض نبوت میں حق غلامی ادا کر دیا بہت خدمت اسلام کی ہو گی۔ لوگوں نے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرائض نبوت ادا کرنے میں یہ تین افراد ممتاز ہیں۔ کیونکہ یہ فریضہ نبوت ہے۔ نبوت کو دعوی نبوت کو روئے زمین کے انسانوں تک پہنچایا۔ جو لوگ حضور کے ساتھ ہمیشہ رہے اگر وہ مسلمان نہیں تھے تو انہیں مسلمان ماننے کی کون سی دلیل ہے۔ یہ تو مسلمان ثابت ہی نہیں ہوتے۔

حضور فرماتے ہیں کہ ظلم کو برائی کو اگر ہو سکے ممکن ہو تو ہاتھ سے روکو اگر تم میں یہ ہمت نہیں ہے تو پھر زبان سے روکو۔ اگر یہ ہمت بھی نہیں ہے تو اس سے علیحدہ ہو جاؤ اور یہ علیحدہ ہو جانے کا حضور فرماتے ہیں هو اضعف الایمان او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کا ادنیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کر لو۔ اگر علیحدہ بھی نہیں ہوتے تو ساتھ بیٹھ کر ایمان بچتا بھی نہیں تو ایمان کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ اس برائی سے اپنے آپ کو علیحدہ کر لو۔

میری گزارش صرف آپ سے یہ ہے کہ آپ صرف خود علیحدہ نہ ہوں۔ جہاں تک آپ کی بات پہنچتی ہے ان کو روکیں۔ آپ مسلمانوں کو ان خرافات میں شامل ہونے سے ضرور روکیں۔ اس کا اجر اللہ کریم آپ کو دے۔

باتیں اُنکی

سیماب اویسی

کبھی کبھی "المرشد" دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے بہت سی گرہیں کھل رہی ہوں۔ اور کئی ایسے مسائل جو بہت اُلجھ چکے تھے ان کی ڈور کا سرا ہاتھ آگیا ہو۔

پچھلے دنوں ایک مضمون "ماڈرن مولانا" نظر نواز ہوا۔ تو جانا کہ صوفی یا صاحبِ حال لوگ جنہیں ہم روزمرّہ کی زبان میں ولی اللہ کہتے ہیں وہ عام آدمی کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ ولی اللہ ہونے کے لیے زندگی کے عام راستے سے ہٹ کر کوئی طرزِ حیات اختیار کیا جائے اس لیے کہ اس مضمون نے ایک عجیب احساس دلایا اور وہ یہ کہ مولانا محمد اکرم صاحب ایک بہت معروف اور بہت بڑے سلسلۂ تصوف کے شیخ ہیں کمال ہے اپنی حضرت سے برسوں کی ملاقات بھی ہے اور ان سے عقیدت بھی رکھتے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جانتے بھی خوب ہیں. کہ مولانا ایک سلسلہ کے موجودہ شیخ ہیں لیکن کمال ہے صاحب ہم نے یہ سب کچھ روٹین ورک ہی سمجھا اور اب پتہ چلا کہ کسی بات کا علم ہونا اور شے ہے اور اس کی حقیقت یا حیثیت کا ادراک کچھ اور چیز مثلاً کسی کو علم ہو کہ جنگ ہو رہی ہے یہ اور بات ہے اور میدانِ جنگ میں کھڑے ہو کر اس کی ہولناکی کا نظارہ کچھ اور ہی اثر مرتب کرتا ہے۔ [illegible] مضمون پڑھ کر اپنا بھی حال ہوا اور شدت سے احساس ہوا کہ [illegible] آدمی کو ہم محض ایک اچھا دینی عالم، اچھا مقرر اور بہترین دوست سمجھتے ہیں اس کی اصل حیثیت تو بالکل الگ ہے جیسے جانتے ہوئے بھی ہم نہ جان سکے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ چیز تو آپ کے پاس ہو اور کوئی آپ کو بتائے کہ یہ آبِ حیات ہے یا اسی کو پارس کہتے ہیں۔

صاحب قصور ہمارا بھی نہیں ہمیں بچپن لڑکپن اور جوانی میں سکول، کالج اور معاشرے کی طرف سے جو تصور ملا تھا وہ مولانا موصوف سے یکسر مختلف تھا کہ ولی اللہ کوئی اور قسم کی مخلوق ہوتے ہیں عام انسانوں کی طرح نہ کھاتے اور نہ پہنتے ہیں کبھی روکھی سوکھی کھالی اور گدڑی میں گذارہ کرتے ہیں۔ عموماً آبادیوں سے باہر اور ویرانوں میں رہتے ہیں۔ کسی سے بات نہیں کرتے شادی وغیرہ کے بکھیڑوں میں نہیں پڑتے نہ حالاتِ زمانہ سے سروکار رکھتے ہیں لیکن باوجود اس کے دنیا کا نظام وہی چلاتے ہیں، ممالک کی سیاست ہو یا صحت و بیماری قحط ہو یا بارش کی فراوانی حتیٰ کہ فتح و شکست سب انہی کے کام ہیں اور ان سب باتوں پر بے شمار حکایات یا روایات اور دلائل سنتے چلے آئے تھے مثال کے طور پر ایک ہی بات عرض کروں کہ ایک جھونپڑے میں چند ولی اللہ فروکش تھے انگریز پنجاب پر قبضہ کرنے کے لیے جوڑ توڑ میں مصروف تھے۔ راوی کہتا ہے کہ ایک گودڑی پوش نے دوسرے سے جو اس کا سردار یا کوئی قطبِ زمانہ کہہ لیں تھا عرض کیا کہ پنجاب میں سکھوں کی مدد فرمائیں یہ انگریزوں سے کم ظالم ہیں اور انگریز نے تو برصغیر میں تباہی مچا دی ہے خصوصاً مسلمانوں پر جو مظالم توڑے ہیں۔ ان سے تاریخ کے اوراق بھی لرزتے ہیں مگر انہوں نے نہایت شانِ بے نیازی سے فرمایا کہ بھئی ہم تو پنجاب کی چابیاں انگریزوں کے سپرد کر چکے اور دوسرے روز چیلیانوالہ ضلع گجرات میں سکھوں اور انگریزوں کے درمیان جنگ ہوئی اور یہ جنگ پنجاب کی تقدیر کا فیصلہ کر گئی سکھ ہار گئے اور انگریز پنجاب پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اس طرح کی بے شمار حکایات ہمارے حافظے میں جمع ہیں اگرچہ جب سے یہ بات سُنی ہے ایک سوال دل میں کھٹکتا رہا کہ آخر ولی اللہ نے اپنے ملک کے لوگوں پر رحم نہیں کھایا تھا تو

مسلمانوں پہ ہی کھا لیتا اور ظالم انگریز کو ملک پر مسلط نہ کرتا۔ آخر انہوں نے ایسا کیوں نہ کیا؟ اگر اللہ میاں کرتے تو بات اور تھی ان کی تو سب مخلوق ہے اگر مسلمان نافرمان ثابت ہوگا تو اسے اسی طرح سزا ملے گی مگر ولی اللہ تو خود مسلمان ہی نہیں مسلمانوں کا پیشوا تھا اس نے ایسا کیوں کیا؟ آج تک ہم یہ بات زبان پر لانے کی جرأت نہ کر سکے اس لیے کہ سننے والوں کے پاس بھی شاید جواب تو نہ ہوگا۔ البتہ ہم پر فتویٰ ضرور لگا دیں گے اور یہ بلاوجہ کا فتویٰ ہمیں منظور نہ تھا اگر جواب مل جاتا اور ساتھ کوئی فتویٰ بھی اٹھانا پڑتا تو خیر بات معقول ہوتی۔ مگر صرف فتویٰ لگوا لینا کم از کم ہمیں تو پسند نہ آیا لہٰذا چپ ہی رہے ایک بات اور جس سے ہم بہت ڈرتے تھے۔ وہ یہ تھی کہ اولیاء اللہ سب کچھ جانتے ہیں۔ دلوں کی بات ان پر عیاں ہوتی ہے انسان کے اعمال ان سے چھپ نہیں سکتے اور انہیں علم غیب حاصل ہوتا ہے یہ بات اتنی خطرناک ہی کہہ لیں۔ کم از کم میرا تاثر تو یہی ہے کہ ہمیں اگر پتہ چلتا کہ فلاں جگہ کوئی ولی اللہ ہے تو ہم بہت دور سے راستہ بدل لیتے کہ اپنے اعمال ہی اس قابل کہاں کہ کسی کے سامنے کھولے جائیں یہ تو اللہ کریم ہی ستار العیوب ہے ورنہ جو کچھ میں ہوں مجھے تو نہ گھر والے ہی رہنے دیں اور نہ دنیا والے قبول کریں اسی ڈر سے روز دُعا کرتا ہوں کہ اللہ روزِ حشر بھی اپنی بارگاہ سے معاملہ رکھنا مخلوق کے سامنے رسوائی سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں۔ تیری رحمت بہت ہی وسیع ہے تو معاف کرنے والا ہے کر دے گا۔ لیکن مخلوق تو صرف طنز کرنے کے حق سے آشنا ہے معاف کرنے اور درگذر کرنے کے لیے تو وہ حوصلہ درکار ہے جو صرف تیرے مقبول بندوں کو نصیب ہوتا ہے بھلا ایسا آدمی کسی غیب دان کی مجلس میں کیوں جائے گا۔ لیکن یہ مضمون پڑھ کر عجیب دھچکا سا لگا کہ پورا ذہن ہل گیا اور یہ سوچنے لگے کہ اگر یہ آدمی ولی اللہ ہے تو اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس کے سامنے اور پاس بسر ہوا۔ یا اللہ یہ کیا ہوا وہ جو کہتے ہیں سرِ راہ ان سے ملاقات ہوئی جس سے ڈرتے تھے وہی بات ہوئی۔ ہمارے ساتھ ہی معاملہ ہو گیا پھر سوچا اب جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا چھپنے کی نہ ضرورت رہی اور نہ فائدہ تو کیوں نہ اس موضوع پر مولانا سے بات کریں۔ کچھ اپنے خدشات سنائیں کچھ ان کے ارشادات سُنیں کہ اگر وہ واقعی علم غیب رکھتے ہیں تو چھپنا فضول ہے لہٰذا ہم پوری تیاری سے مولانا کے پاس حاضر ہوئے ایک بات ہے جب بھی دار العرفان حاضری ہوتی ہے۔ مین ہال میں داخل ہوں تو کیفیات بدل جاتی ہیں یوں جیسے کوئی سخت گرمی سے نکل کر ائیر کنڈیشنڈ میں آ گیا ہو۔

مولانا صاحب کا کمرہ پورے ہال سے گذر کر آتا ہے صاف ستھرو روشن روشن اور پھر ان کی شخصیت جو محتاجِ تعارف نہیں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ ایک آدمی سے کمرہ بھرا بھرا سا لگتا ہے طبعاً مولانا محفلوں کی جان ہیں بذلہ سنجی ان کی روزمرہ کی گفتگو ہے اور شعر و سخن پہ بات ہو تو لطف آ جاتا ہے صاحبِ طرز ادیب ایسے کہ بات انہی انداز میں کرتے ہیں یوں جیسے کوئی دہلی و لکھنؤ کی مجلس ہو وعظ و نصیحت کا انداز نرالا ہے ہم نے تو ہر مسجد میں دوزخ کی وعید ہی سنی علماء حضرات سے نہایت معذرت کے ساتھ اور اس قدر کثرت سے سُنی کہ لاشعور میں ایک بات سی جم گئی تھی اور وہ تھی اللہ کے بارے ایسی ڈراؤنی سی بغیر کسی شکل کے تصویر جیسے کوئی بہت طاقتور ہستی پس پردہ نہایت غضبناک صورت میں ہماری تاک میں ہے۔ ادھر پاؤں پھسلا ادھر اس نے پکڑا اور ہم دوزخ میں اور پھر تو یہ بھلی یہ سب کچھ لکھا بھی نہیں جاتا جسم پہ کپکپی سی طاری ہو جاتی ہے۔ مگر مولانا کی مجلس نے یہ تصور یکسر بدل دیا اور یہ شعور نصیب ہوا کہ اللہ تو سراسر محبت ہے اور صرف وہی اس قابل ہے کہ اس سے محبت کی جائے یہ جو گناہ کی سزا اور دوزخ کی خبر ہے یہ بھی اس نے اپنے بندوں پر شفقت فرمائی ہے اور انہیں بروقت مطلع فرما دیا ہے کہ کوئی بھی انجانے میں تباہ نہ ہو جائے وہ تو اتنا کریم ہے کہ اس کے در پر پہنچو سہی خواہ گناہ لے کر چلے جاؤ تو وہ دھتکارتا نہیں۔ ان گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ

خیر بھئی اِن باتوں کو رہنے دیں اور دیکھیں کہ ہم مولانا صاحب کے کمرہ میں موجود ہیں۔ یہاں تکلفات کا گذر نہیں وہی شرعی سلام و دُعا اور بیٹھنے کو فرش مگر مزیدار فرش قیمتی قالین اور صاف ستھرا کمرہ مولانا کے لکھنے کی میز کے ساتھ تو شاندار قسم کی کرسی ہے۔ علاوہ ازیں ان کا بستر بھی قالین پہ ہی ہے۔ آیئے بیٹھیں باتیں ہم کریں گے آپ بھی سن لیں، شاید کچھ ہماری بہتری ہو یا کچھ آپ ہی کا بھلا ہو جائے، ورنہ کم از کم مولانا کے خیالات سے آگاہی تو ہو گی رہی وہ بات جو لوگوں میں شہرت پکڑ رہی ہے یا "ماڈرن مولانا" کی لکھنے والی قاریہ صاحبہ کی رائے ہے اس کی حیثیت خود ان کے نزدیک کیا ہے جیکے بارے یہ لکھا گیا ہے کہ اس کی وضاحت ہی سہی۔ تو جناب بسم اللہ سنیئے۔

ہم:۔ مولانا اجازت ہو تو آج ایک خاص بات آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں

مولانا:۔ بھئی ضرور اس میں اجازت کی کیا ضرورت ہے۔

ہم:۔ لوگ آپ کو ولی اللہ کہتے ہیں کیا یہ بات درست ہے۔

مولانا:۔ ولایت کی نسبت اللہ کی طرف ہے ظاہر ہے جب تک وہ قبول نہ فرمائے تو یکطرفہ دعویٰ مناسب نہیں۔ ہاں ولایت کے دو حصے ہیں

ایک ولائیت عامہ اور ایک ولائیت خاصہ۔ پہلا حصہ تو ہر مومن کو حاصل ہے اللہ کریم کی شہادت موجود ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہ اللہ کی ولایت ہر مومن کو حاصل ہے بحمد اللہ میں بھی مومن ہوں اور مجھے بھی حاصل ہے یہی دولت آپ کے پاس بھی ہے دراصل ایمان کی بقا کا سبب بھی یہی ولایت ہے جب یہ ٹوٹ جائے یا اللہ سے تعلق کی یہ صورت نہ رہے تو آدمی کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے آپ نہیں دیکھتے کہ مسلسل گناہ کرنے والے لوگوں کو اگر توبہ نصیب نہ ہو تو عموماً گمراہ ہو کر عقیدے کے فساد میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ رہا دوسرا درجہ تو اس کی جو نشانی اللہ نے ارشاد فرمائی ہے وہ یہ ہے اَلَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کہ جن لوگوں نے اللہ کو رب مانا اور پھر اپنی بات پر ڈٹ گئے ان پر حیات دنیا میں بھی اور عند الموت بھی ملائکہ کا نزول ہوتا ہے جو انہیں بشارت سناتے اور ہر طرح کے خوف اور فکر سے آزادی کی خبر دیتے ہیں یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ خود اللہ کریم ہی فرمائیں گے کہ کون اس پر قائم رہا یا اگر خود اس آدمی کو ادراک ہو بھی تو دوسرے لوگوں کے پاس اس پر کیا دلیل ہے لہٰذا ہمیں ہر نیک اور باعمل مسلمان سے حسنِ ظن ہوتا ہے کہ یہ ولی اللہ ہے مگر فیصلہ اللہ کے پاس ہے ہاں یہ کہنا درست ہے کہ فلاں صاحبِ حال ہے یا اسے کوئی ذرہ معرفت کا نصیب ہے تو اب بات آپ پر ہے کہ آپ اگر میرے افکار و کردار میں بھلائی دیکھتے ہیں تو یہ اللہ کی عطا ہے اگر کوئی نقص ہے تو میری طرف سے ہوگا۔ اور میرے نفس کا فساد ہوگا۔

ہم:- بات طے تو نہ ہو سکی مگر کچھ پتہ تو تب چلے جب آپ یہ بتائیں کہ یہ ولایت کیا چیز ہے جبکہ عقیدہ اور عمل سب مسلمانوں کا ایک ہے نہ تو ان پر کوئی زائد عبادات فرض ہیں نہ عقائد دوسرے مسلمانوں سے کچھ زیادہ ہیں تو پھر اتنے بے شمار مسلمانوں میں سے صرف کچھ ہی لوگ کیوں ولی اللہ یا بقول آپ کے صاحبِ حال شمار ہوتے ہیں اور ان کے پاس کیا خاص چیز ہوتی ہے جو ان کو دوسروں سے ممتاز کر دیتی ہے۔

مولانا:- عقائد اور اعمال کی بنیاد اللہ کی کتاب ہے جو سب مسلمانوں کے لیے برابر برکات کی حامل ہے۔ کتاب اللہ کی تشریح اور توضیح قول و فعلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس میں بھی سب برابر کے شریک ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ کچھ کیفیات ہیں جو قلبِ انسانی سے متعلق ہیں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ کتاب اللہ کا نزول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر ہوا حالانکہ آپؐ کا ذہنِ عالی بھی بے مثال تھا۔ کتاب اللہ ذہن کو مطمئن تو کر دیتی ہے اور اس کا کوئی حکم خلافِ عقل نہیں ہوتا مگر اسے قبول کرنا اور سمجھنا یہ دل کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ایمان سے محروم رہے انہیں عقلی دلائل نے لاجواب بھی کر دیا مگر قائل نہ کر سکے یا وہ قبول کرنے سے محروم رہے۔ اگر قبول کرنے کی توفیق کسی کو نصیب ہوئی تو سب سے پہلے اس کے دل میں ایک نرم گوشہ پیدا ہوا اور پھر جب ایمان نصیب ہوا تو دل روشن ہو گیا اور جس قدر دل میں خلوص بڑھتا گیا اعمال کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہ دل کی حالت کیسے بدلی۔ دراصل یہ بھی فرائضِ نبوت میں سے تھا کہ دلوں کا تزکیہ فرمایا جائے۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ آپ ان چار گانہ فرائض نبوت کی ترتیب دیکھیں۔ دعوت الی اللہ۔ جو قبول کرے اس کے دل کا تزکیہ اور پھر تعلیم کتاب اور حکمت یعنی سنت۔

اب رہی بات کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تزکیہ کس طرح فرمایا کرتے تھے تو برکاتِ نبوت کا سمندر اس طرح ٹھاٹھیں مارتا تھا کہ ایمان لانے کے بعد جس مومن کو آپؐ کی صحبت نصیب ہو گئی یا نگاہ آپؐ کے وجودِ عالی پر پڑی یا آپ کی نگاہ مبارک اس پر پڑی تو وہ صحابی ہو گیا۔ صحابی محض اصطلاح نہیں یہ ایک بہت بڑا درجہ اور انتہائی بلند حال ہے۔ کہ اس کے اوپر مقامِ نبوت ہے۔ اور صفاتِ عالیہ میں عقائد و اعمال اور خلوص فی الاعمال میں کوئی غیر صحابی صحابہ کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔ یہاں سے فرق کا پتہ چلتا ہے۔ عقیدہ ایک، کتاب ایک، نبی ایک، عمل بھی ایک، مگر اجر میں بہت زیادہ فرق پڑ جاتا ہے۔ اور وہ یوں کہ آپؐ کے ایک ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ میرا صحابی تھوڑی سی جو خیرات کرے اور بعد والوں میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو بھی اس کے برابر ثواب نہیں پا سکتا اور یہ ظاہر ہے کہ فرق تو صرف خلوص اور دل کی حالت میں ہی ہے جس نے اجر میں اتنا فرق پیدا کر دیا اور دل کی اس حالت کا سبب صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی ہے تو یہ بات سامنے آئی کہ عقائد و اعمال سب تعلیمات نبوی ہیں۔ ان پر یقین کرنے کا نام ایمان ہے اور عمل کرنے سے دل کی اصلاح بھی ہوتی ہے۔ ثواب بھی ہوتا ہے مگر جو حال دل کو فیضِ صحبت سے نصیب ہوا وہ فوری بھی تھا اور بہت زیادہ مؤثر بھی بلکہ یہ ایک مستقل شعبہ ہے

جنہیں ہم ولی اللہ اور بزرگ سمجھتے ہیں وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ جنہوں نے برکاتِ نبوت سے بھی حصہ پایا ہو اب ظاہر ہے کہ ہمارے اور ان کے اعمال ایک جیسے ہونے کے باوجود اجر اور ثواب میں اپنا اپنا مقام پیدا کریں گے۔ اور یہی ان کے احترام کا سبب بھی ہے۔

ہم:- مگر یہ فیضِ صحبت تو آپؐ کی دنیاوی حیاتِ مبارکہ میں تھا یا بعد

میں بھی جاری رہا؟

مولانا:۔ بڑی سیدھی سی بات ہے کہ دین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوا۔ تعلیمات اور برکات دونوں دین کے شعبے ہیں اور میری رائے میں برکات تعلیمات پر بھی مقدم ہیں جیسا کہ ترتیبِ کتاب سے بھی ظاہر ہے اگر یہ آپؐ کے وصال کے ساتھ ختم ہو جائیں تو دین کا نصف بہتر ختم ہو گیا جو ناممکن ہے لہذا یہی برکات صحابہ میں منتقل ہوئیں۔ اور ان کی صحبت میں بیٹھنے والا تابعی بن گیا۔ تابعین کی صحبت پانے والا تبع تابعی کہلایا یہ تینوں زمانے خیر القرون یعنی سب سے بہتر زمانے تھے اس کے بعد شعبے تقسیم ہو گئے جس طرح علمِ ظاہر کے متعدد حصے بنے اور لوگوں نے مختلف شعبوں میں حق خدمت ادا کیا کوئی مفسر کہلایا کوئی محدّث اور کوئی فقیہہ اسی طرح ایک نہایت جرأت مند اور باحوصلہ طبقے نے علوم ظاہر کی تکمیل کر کے ایسے افراد تلاش کیے جو برکاتِ صحبت کے امین ہوں پھر ان کی مجالس میں بیٹھ کر ان لیے اختیار کئے گئے اسی طرح محافلِ ذکر ان کے طریقے بھی وسائل ہیں مقصد برکاتِ نبوت اور دلی کیفیات کا حصول ہی ہے جسے خشوع و خضوع کہہ کر قرآن حکیم نے ہر عمل کی جان قرار دیا ہے میں نے ایک چھوٹے سے رسالے ارشاد السالکین جلد دوم میں بھی ضرورت ذکر پر بات کی ہے آپ اسے ایک نظر دیکھ لیں۔ اور یہ بھی نوٹ فرمالیں کہ جس طرح حج فرض ہو تو ذرائع کوئی بھی اختیار کیے جا سکتے ہیں، مثلاً عہدِ نبویؐ کی سواری تو اونٹ گھوڑا ہے مگر اب ہوائی جہاز موٹر اور کار استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح کتاب اور حدیث پاک کو سمجھنے کے لیے مدارس اور نصابی کتب کا ایک طریق کار بن گیا ہے ایسے ہی حصولِ برکات کے لیے بھی اب محض مجلس میں بیٹھنے کی بجائے مختلف طریقِ ذکر اختیار کیے جاتے ہیں، جو محض وسائل اور ذرائع ہیں جن کے لیے صرف ایک شرط ہے کہ کوئی ذریعہ خلافِ شریعت نہ ہو اور بس مقصد تو محبت الٰہی اور قلبی کیفیات کا حصول ہے لہذا آپ تصوف کی کتب دیکھیں تو ذکر کرنے کے بہت سے طریقے مثلاً ذکر جہر۔ ذکر لسانی۔ ذکر خفی، قلبی وغیرہ اور ان کے طریقے مختلف انداز میں مذکور ہیں۔ اور مختلف مشائخ کے ہاں ان پر عمل بھی ہوتا ہے جس پر اعتراض محض نادانی ہے۔

ہم:۔ تو کیا ذکر کرنے سے فرشتے اور ارواح نظر آنے لگتے ہیں اور ان سے ملاقات ہوتی ہے۔؟

مولانا:۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے ذکرِ الٰہی کا مقصد فرشتوں سے ملاقات یا روحوں کے حالات جاننا نہیں بلکہ محض صفائے قلب حاصل کرنا اور خلوص اور خشوع و خضوع کا پانا ہے مگر جب دل روشن ہوتا ہے اور اس کی آنکھ کھلتی ہے اسے کبھی فرشتوں کا مشاہدہ بھی ہو سکتا ہے یا ارواح کے حالات کا علم بھی ممکن ہے اس کو کشف کہتے ہیں۔ اور یاد رہے کہ کشف ثمرات میں سے ہے یعنی ایک قسم کا اجر ہے اور ثمرات ہمیشہ وہبی ہوتے ہیں یعنی اللہ کی طرف سے عطا ہوتے ہیں۔ ان پر کسی کا بس نہیں چلتا لہذا اللہ کی طرف سے الہام یا القا نصیب ہونا یا کشف کے ذریعے کسی بات کا علم ہونا یہ اللہ کا انعام ہے ذکر کا مقصد ہرگز نہیں۔ مقصد حصولِ تقویٰ ہے یعنی عملی زندگی میں بھی اطاعت نصیب ہو اور اعمال میں خلوص بھی نصیب ہو ہاں جب دل روشن ہوتا ہے اور اسے نگاہ ملتی ہے تو اس کا رابطہ عالم بالا سے ہوتا ہے ایک خاص مقام تک پہنچنے والے میں یہ قوت آجاتی ہے کہ شیخ اسے بارگاہِ نبوی کی زیارت سے مستفید کرے اسے اصطلاح برکات کو اپنے دلوں میں جگہ دی اور یہ طبقہ صوفی یا اہل اللہ کہلانے لگا آپ ہر سلسلۂ تصوف کا شجرہ دیکھتے ہیں یہ حدیث کی روایت کی طرح ہوتا ہے کہ فلاں نے فلاں کی صحبت سے اس نے فلاں کی مجلس سے اسی طرح چلتے چلتے یہ صحابہ کرام سے ہوتا ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے کہ منبع فیوضات تو انہی کی ذات ہے۔

ہم:۔ درست آپ کی بات سمجھ لی، مگر حضرت اس سارے طریق کار میں ذکر اذکار کی تو کوئی بات نہ آئی تو پھر یہ کیا ہے؟

مولانا:۔ جی آپ درست کہتے ہیں یہ تو ایک مکمل موضوع تھا ذکر بجائے خود مامور بہ ہے۔ یعنی اللہ کا حکم ہے کہ اس کا ذکر کیا کرو ہر حال میں، کھڑے، بیٹھے، لیٹے اور کثرت سے کیا کرو۔ نماز بھی ذکر ہے مگر نماز سے فارغ ہو کر کام کاج پر جاؤ تو بھی ذکر کرتے رہو، جہاد پر ہو ذکر کرتے رہو۔ دورانِ حج کثرت سے ذکر کرو حتیٰ کہ سورۃ مزّمل میں خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ اپنے رب کے نام کا ذکر کریں یعنی اللہ اللہ کی تکرار کریں۔ اور اس قدر کریں کہ اللہ کے سوا ہر شے معدوم ہو جائے اور تبتّل الی اللہ نصیب ہو تو اور کوئی ذکر سے مستثنیٰ تو ہرگز نہیں ہو سکتا نیز خود مسجد نبوی میں بیٹھ کر صحابہ کا ذکر کرنا ثابت ہے بلکہ حکم ہے کہ جنت کے باغوں سے گذرو تو کچھ کھایا کرو عرض کیا یا رسول اللہؐ کون سے باغ سے فرمایا یہ ذکر کے حلقے۔ اور جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ۔ اور آپ حجرہ مبارک سے مسجد میں داخل ہوئے تو کچھ صحابہؓ بیٹھے ذکر کر رہے تھے آپؐ ان کے ہمراہ بیٹھ گئے اور فرمایا اللہ کا شکر ہے مجھے جن لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے وہ لوگ بھی عطا فرما دیئے ہیں۔ یہ واقعات بھی ملتے ہیں کہ صحابہ میں سے بعض نے وساوس یا ڈر کی شکایت کی تو آپؐ نے سینہ پر ہاتھ پھیرا درست ہو گئے لہذا ذکر تو ہمیشہ کیا جاتا رہا کہ اللہ کا حکم

تھا ہاں خیر القرون میں اگر کسی کو ذکر کی مجلس نصیب ہو گئی تو نورٌ علیٰ نور ورنہ صرف ملاقات دلی کیفیات کے حصول کا سبب بن گئی مگر بعد میں اتنا قوی اثر نہ رہا۔ لہذا اسلاف صالحین نے بزرگوں کے ساتھ بیٹھ کر ذکر کرنا شروع کیا کہ اس طرح دل کو دل سے روشنی اور برکات نصیب ہوتی رہیں جس طرح علم ظاہر کے حصول کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے مختلف علوم ایجاد ہوئے۔ مثلاً حرف و نحو کے قاعدے، علم کلام، نصاب اور نصابی کتب طریق تدریس تو یہ سب کچھ عہد نبوی میں تو نہ تھا مگر یہ سب ذرائع اور وسائل ہیں جو اللہ کی کتاب کو سمجھنے کے لیے حدیث پاک کو سمجھنے کے

تصوف میں فنافی الرسول کا نام دیا گیا ہے۔ ہمارے سلسلہ ذکر میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ طالب کو اس مقام تک ضرور لے جایا جائے مگر نصیب تو اللہ کی عطا سے ہی ہوتا ہے اگر ہو جائے تو بحمد اللہ بارگاہِ نبوت سے دلی تعلق نصیب ہو جاتا ہے جو حاصل حیات ہے اور یہ بھی اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت روئے زمین پر ہزاروں لوگ ایسے ہیں جو سلسلہ عالیہ کی نسبت سے اس مقام عالی سے مشرف ہیں۔ مگر ایک بات یاد رہے کہ کسی کا کشف و مشاہدہ اس حد تک ہی درست مانا جائے گا جس حد تک وہ حدودِ شرعی کے اندر ہو گا اگر کہیں تصادم پیدا ہوا تو وہ کشف ناقابلِ قبول ٹھہرے گا کہ حق وہی ہے جو آپؐ نے ارشاد فرما دیا۔

ہم ا۔ مولانا آپ نے حیرت زدہ کر دیا اور اپنی بساط سے بات بڑھ گئی ایک بات اور فرما دیں کہ کیا سب لوگ اس کو حاصل کر سکتے ہیں یا خاص قسم کے لوگ ہی مستفید ہو سکتے ہیں؟

مولانا۔ اس کو حاصل کرنے کی استعداد پیدائشی اور تخلیقی طور پر ہر انسان میں ہوتی ہے یہ الگ بات ہے کہ ہر آدمی کی استعداد مختلف ہوتی ہے۔ مگر ہوتی ضرور ہے۔ حتیٰ کہ کافر بھی جب تک زندہ رہے اس میں موجود رہتی ہے اگر ایمان لے آئے تو حاصل کر سکتا ہے۔ ہاں کفر پر موت اس سے محروم کر دیتی ہے۔ آپ کے سوال کا دوسرا حصہ کہ کیا خاص قسم کے لوگ ہی حاصل کر سکتے ہیں تو عرض ہے کہ سب سے اعلیٰ مقام صحابیت ہے جسے آپؐ نے بے دریغ بانٹا مرد عورت بچہ بوڑھا امیر غریب کوئی محروم نہ رہا تو ولایت پر کس کی اجارہ داری ہے یہ تو سب کا حق ہے جو بھی اسے اللہ کی طرف سے جو نصیب ہو پائے گا کسی کو بھی محروم رکھنا انصاف کے منافی ہے نبوت کے بعد جس قدر اعلیٰ منازل باعتبار عقائد اور اعمال ہیں ان کو مرد عورت امیر غریب سب حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ کوئی ایسا آدمی مل جائے جس کے دل میں اتنا بڑا الاؤ روشن ہو جو ہر آنے والے دل کو روشنی بانٹتا رہے۔ اور میں آپ سے پھر عرض کر دوں کہ اس کی پہچان بھی یہی ہے کہ آدمی نیکی کی طرف اور قلبی طور پر خلوص کی طرف بڑھنا شروع کر دے ورنہ فضول ہے۔ نیز مقامات حاصل کر لینا اور بات ہے اور انہیں آگے تقسیم بھی کرنا الگ بات ہے جسے اللہ قوت اور توفیق عطا کر دے۔

ہم ا۔ ایک آخری بات جس کے دو حصے ہیں اول جوگی پنڈت اور [illegible] کہتے ہیں کیا یہ کوئی اس طرح کی شے تو نہیں دوسرے کچھ لوگ پاگل ہوتے ہیں جنہیں مجذوب کہا جاتا ہے لوگ ان کے بڑے معتقد ہوتے ہیں یہ صورت حال کیسی ہے۔

مولانا۔ بھئی بہت وقت ہو گیا یہ ایک بحر ذخار ہے جسے آپ ایک ملاقات میں نہ سن سکتے ہیں نہ میں بیان کر سکتا ہوں لہذا آپ کے دونوں سوالوں کے مختصر جواب عرض کر کے اجازت چاہوں گا اور باقی پھر کبھی جب اللہ کریم نے توفیق دی۔

اوّل۔ جوگیوں اور یوگا وغیرہ کے ماہرین کے کمالات کا تعلق مجاہدے سے ہے اور عقل کی حد تک ہے وہ محنت کر کے دماغی طاقت کو ایک نقطے پر مرتکز کر کے بعض عجیب باتیں یا حرکتیں کر لیتے ہیں مگر یہ یاد رکھیں کہ ان کی رسائی صرف وہاں تک ممکن ہے جہاں تک آپ عقلی اور مادی ذرائع سے بھی رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً کوئی دور کی بات یا کسی کی سوچ پڑھ لی۔ وغیرہ جو آج کل مختلف آلات سے بھی ممکن ہو گیا ہے آسمان سے اوپر یا فرشتے کو دیکھنا یا برزخ کے حالات ان پر نہیں کھلتے نہ وہ اس بارہ میں کبھی بات کرتے ہیں اس نعمت کا تعلق ایمان اور برکاتِ نبوی سے ہے۔

دوسرے بعض لوگ اس راہ پر چلتے ہوئے کسی جگہ رک جائیں تو پاگل ہو جاتے ہیں جنہیں مجذوب سالک کہا جاتا ہے وہ کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکتے نہ توجہ دے سکتے ہیں اس لیے کہ انہیں اپنا ہوش نہیں ہوتا نیز یہ کمزوری کی دلیل ہے کوئی نبی مجذوب نہیں ہوا۔ اگر کمال ہوتا تو انبیاء کو ملتا ہاں جو سالک جس قدر طاقتور اور مضبوط ہو گا اس کی زندگی حالِ دل کے ساتھ اسی قدر عام انسانوں کی زندگی ہو گی۔ یہ مشکل ترین کام ہے اور یہ طاقت انبیاء علیہ السلام کو عطا ہوتی ہے جبھی تو ہر آدمی ان کی اطاعت کا مکلف ہے کہ ان کی حیات کا طریقہ بہت ہی عام سا ہوتا ہے مشکل زندگی نہیں ہوتی۔ رہ گئے وہ لوگ جو اس راہ پر چلنا شروع ہی نہیں کرتے یا پیدائشی پاگل ہوتے ہیں تو ایسے لوگ محض پاگل ہوتے ہیں، ولی اللہ ہرگز نہیں۔ ہاں بعض حضرات کو یہ نعمت نصیب ہوئی۔ تو اگرچہ وہ پاگل نہ ہوئے مگر عقل کی سلامتی بھی یقینی نہ رہی لہذا ان کی زندگی عام روش سے ہٹ گئی نہ کھانے کی فکر نہ کپڑے کی پرواہ پھر بعض اوقات تنگ آ کر ویرانوں میں نکل گئے تو یہ بھی ایک کمزوری تھی۔ بعض حضرات کو لوگوں نے شہروں سے نکال دیا تو اس طرح

سے ایک تصور بن گیا کہ اہل اللہ کی زندگی عام روش سے ہٹ کر ہوتی ہے اور وہ کوئی عام طرح کی مخلوق نہیں ہوتے جو سراسر غلط ہے ہاں اگر کسی کا دل روشن ہو اور دوسرے قلوب کو روشنی عطا کر سکے یا اسے بارگاہِ نبوت کی حضوری نصیب ہو اور دوسروں کو اس سے مشرف کر سکے آج کل ہر تیسرا آدمی زیارتِ نبوی کا مدعی ہے لیکن کیا ان کی صحبت میں کسی دوسرے کو بھی نصیب ہوتی ہے؟ اگر کوئی ایسا کر سکتا ہو تو یقیناً اس پر اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے اور پھر اس کے ساتھ اگر اس کی روزمرہ کی زندگی عام انسان کی زندگی ہو بیوی بچے کاروبار رزق حلال کے وسائل اور حق کو بیان کرنا باطل سے بچنے اور بچانے کے لیے کوشاں رہتا ہے اور عام انسانوں کی زندگی رکھتا ہو تو ایسے لوگ بہت کمیاب ہوتے ہیں اور یہ لوگ بہت قیمتی ہوتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے بارے مولانا نے فرمایا تھا ؎

چنیں مردے کہ یابی خاکِ اوشو

اسیرِ حلقۂ فتراکِ اوشو

میرے خیال میں آج کی محفل میں بہت سی باتیں ہو گئیں اللہ کریم نے چاہا تو پھر کبھی سہی مگر سیماب میاں صرف باتیں کیوں کرتے ہو وقت کو غنیمت جانو اور اس دریا میں چھلانگ لگا دو تم بھی ذکر کرو صبح و شام کی مجالسِ ذکر میں آؤ اور دیکھو اللہ کریم تمھیں کس طرح نوازتے ہیں کیا خبر کل کیا ہو آخر ہم بھی تو پا بہ رکاب ہیں چل چلاؤ ہے پتہ نہیں کب پروانہ آ جائے پھر افسوس کرتے رہو گے آؤ کہ تمھیں بھی آہوں کی لذت سے آشنا کروں۔

مولانا نے واقعی سامان سمیٹنا شروع کر دیا ڈاک منشی کو تھمائی جس میں کئی غیر ممالک کو جانے والے خطوط بھی تھے بریف کیس بند کیا وہ بھی منشی نے لے لیا۔ مولانا نے ریوالور پر ہاتھ لگایا غالباً یقین کرنا چاہتے تھے کہ بغل میں ہے اور اُٹھ کھڑے ہوئے میں دیکھ رہا تھا کہ چند لمحے پیشتر تصوف پر بولنے والا انسان ایک امیر کاروباری آدمی میں بدل چکا تھا۔ شاندار کمرہ ملازم ڈاک اور پھر ملازم کو کاروباری ہدایات اور آمد و خرچ کی بات ہو رہی تھی باتیں کرتے باہر نکلے کمرے کا دروازہ مسجد کے شاندار ہال میں کھلتا ہے باہر مولانا صاحب کے نام کی خوبصورت تختی آویزاں ہے۔ حضرت نے خود تالا لگایا چابی پاس رکھ لی اور مسجد میں قدم رکھا تو خیال آیا کہ ایک بات تو رہ گئی فوراً عرض کیا حضرت میں تو یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ ولی اللہ لوگوں کے دلوں کے حال پڑھ لیتے ہیں اور مخلوق کے کردار سے ہر وقت آگاہ رہتے ہیں ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے کہنے لگے میاں یہ کیا کہہ رہے ہو۔ یاد رکھو اللہ بڑا غیور ہے کبھی اپنی مخلوق کو دوسروں پر بے نقاب نہیں کرتا یہ اور بات ہو جائے تو اس کی اصلاح کا سبب بن جاتا ہے تو اللہ کریم اپنے کسی بندے سے اس کا جواب بیان کرا دیتے ہیں یا چاہیں تو بعض باتیں بھی منکشف فرما بھی دیں میں نے عرض کیا کہ کشف و ہبی نعمت ہے چاہے تو آنِ واحد میں روئے زمین سے حجاب اُٹھا دے اور چاہے تو جس کا علم پہلے سے ہے وہ بات بھی فراموش کرا دے۔ خصوصاً لوگوں کی قلبی کیفیات اتنی ذاتی بات ہے کہ اللہ چاہے تو انبیا کو بھی آگاہ فرما دے ورنہ صرف اپنی ذات تک رکھتا ہے آپ نہیں جانتے کہ بعض لوگوں کے قلبی تعلق ہی کے بارے اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ آپ ان پر محنت نہ کریں یہ ایمان لانے والے نہیں اس لیے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ یعنی ان کا قلبی حال یہ ہے کہ ان کی بات میری ذات سے بگڑ چکی ہے اور کسی کا کیا تذکرہ جب انبیاء و رسل اس کے بتانے سے جانتے ہیں اور بقدرِ ضرورت اطلاع پاتے ہیں اس لیے کہ آدمی اس بات کا مکلف ہی نہیں کہ دوسرے کے دل کا حال جانے بلکہ ظاہر کا مکلف ہے اور یہ تو آخرت کے عذابوں میں ذلت کا عذاب ہے کہ کافر کے عیوب سرِ محفل عیاں ہوں گے جبکہ مومن کا حساب وہاں بھی پردے میں ہو گا اور لوگوں کو اس کے حال کی اطلاع نہ کی جائے گی سوائے اس کے کہ کسی نے اللہ کریم سے اس قدر بگاڑ لی ہو کہ اپنی ہی پوجا کرتا رہا ہو اور تکبر میں گرفتار رہا ہو لہٰذا ایسی کوئی بات نہیں آؤ چلیں اور میں نے دیکھا اللہ کا یہ بندہ ایک ادا سے قدم بھی اُٹھا رہا تھا۔ دروازے پر ان کی قیمتی گاڑی کھڑی تھی پاس بندوق بردار ملازم جو پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا مولانا خود سٹیرنگ پر بیٹھے اور اب وہ بالکل ایک فوجی سالار نظر آ رہے تھے اور میں دارالعرفان کے دروازے پر کھڑا سوچ رہا تھا کہ کیا میں ایک ہی شخص سے ملا ہوں کہ ایک وقت میں وہ تفسیر لکھ رہے تھے کتابوں کے انبار میں گم پھر ہمارے بیٹھے بیٹھے ڈاک لکھی جسے دنیا کے مختلف ممالک میں جانا تھا اور پھر ہمارے ساتھ تصوف بیان کرتے ہوئے بلند پایہ صوفی نظر آ رہے تھے کہ اُٹھتے اُٹھتے میں نے ایک کاروباری اور تاجر کو دیکھا جو گذشتہ کام کی رپورٹ سن کر آئندہ کے لیے ہدایات دے رہا تھا اور دروازے تک آتے آتے وہ ایک سپاہی کی صورت نظر آئے جسے دیکھ کر ہی اس کی فولادی قوتِ ارادی مضبوط ضرب کا احساس ہو رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کاش میں انہیں گھر داخل ہوتے ہوئے ایک شفیق باپ کی حیثیت سے بھی دیکھ سکتا کہ ان کے بارے میری معلومات ایسی ہی ہیں۔

- الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں!

اَچھا پہنو - اَچھا کھاؤ

حضرت مولانا محمد اکرم

بعض چیزیں، رسومات اور کلمات جن کو مٹانے کیلئے اسلام نے اپنا پورا زور صرف کر دیا۔ انسانوں کے بگڑے ہوئے مزاجوں کو ایسے راس آتے ہیں کہ آج بھی اکثر و بیشتر آدمی ٹھوکر کھاتا ہے۔ انہیں رسومات، رواجات اور کلمات پر جا کر گرتا ہے۔

اس میں ایک بنیادی سبب بھی ہے۔ یہ از خود نہیں ہوتا۔ اس لیے ہوتا ہے کہ راستے دو ہی ہیں۔ ایک اللہ کا راستہ جو اس کے نبی اور رسول بیان فرماتے ہیں اور اس کی تعیین فرماتے ہیں۔ اور دوسرا راستہ شیطان کا ہے۔ تیسرا کوئی راستہ ہی نہیں۔ شیطان کو اچھی طرح علم ہے کہ جس طرح انبیاء کی تابعداری باعث رحمت ہے اسی طرح بڑے بڑے کفار کے ساتھ مطابقت، ویسے ہی کلمات زبان سے نکالنا جیسے وہ نکالا کرتے تھے ویسے اعمال کرنا، ان جیسا کردار اپنانا، اسی درجے کے غضب کو دعوت دے گا۔ شیطان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ ان باتوں کو بعد والے لوگوں سے بھی دہرائے جانے کی کوشش کرتا ہے۔

ابتدائے اسلام میں جو اعتراضات مشرکین اور اہل کتاب نے کیے۔ قرآن نے ان کے تسلی بخش جواب دیدیئے حضور ؐ کے معجزات، اسلام کے غلبے میں۔ دلائل کے میدان میں، اور نظام حکومت کے میدان میں بھی انہیں شکست دی۔ لیکن معمولی رد و بدل کے ساتھ ہر زمانے میں اور آج بھی وہی باتیں سننے میں آتی ہیں کہ بعض جاہل لوگ جنہیں مطالعہ کرنے کی سکت نہیں ہوتی یعنی وہ پڑھتے کچھ نہیں، لیکن اعتراض جب کرتے ہیں تو بالکل ویسا ہی جیسا کہ آج سے چودہ سو سال پہلے بے دین یا دین کے بہت بڑے مخالف شخص نے کیا۔

جن لوگوں کو شیطان سے نسبت ہو جاتی ہے تو شیاطین ان سے باتیں کرتے ہیں۔ اسطرح باتیں نہیں کرتے جس طرح میں اور آپ کر رہے ہیں کہ شیطان انسان بن جائے متشکل ہو کر آجائے بلکہ ان کے مزاج میں بات ڈال دیتے ہیں۔ اگر دل روشن ہو نسبت مضبوط ہو جائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو ایسے قلوب کو اللہ کیطرف سے رہنمائی ملتی ہے۔ جسے قرآن حکیم نے علم لدنی کا نام دیا ہے۔ "ہم نے انہیں اپنی طرف سے علم عطا کر دیا ہے"۔ بغیر کسی مدرسے میں جائے۔ کسی استاد کے پاس بیٹھے بغیر۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ کریم اپنی بارگاہ سے علوم عطا فرما دیتے ہیں۔

اسی طرح "موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے ہم نے بات کی" وہ بات جسے کان نہیں سنتے وہ بات جو لفظی اور مادی نہیں ہوتی وہ بات جو براہ راست دل پر جاتی ہے اسے وحی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نبی نہ تھیں اگر نبی ہوتیں تو وحی کا شرعی معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ کلام جو اللہ کیطرف سے نبی کے دل پر نازل ہو۔ اصطلاحی وحی ہے۔

لیکن اہل اللہ کے دل پر جو بات یا اپنی مخلوق کے دل میں جو بات ڈال دیتا ہے اسے بھی اللہ کریم نے قرآن پاک میں وحی سے تعبیر فرمایا۔ جیسے "شہد کی مکھی کے دل میں ہم نے بات ڈال دی" "موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں ہم نے بات ڈال دی"۔

اسی طرح اللہ کریم فرماتے ہیں ۔ جن لوگوں کو شیطان سے نسبت ہو جاتی ہے ۔ شیطان ان کے دل میں باتیں ڈالتا رہتا ہے ۔ وہی بات ان کی زبان پہ آجاتی ہے ۔ ان کے اعمال میں ، کردار میں آجاتی ہے ۔ اس دور کے کفار کے اعتراضات اور آج کے بے دین یا کافر کا اعتراض اس لیے ایک جیسا ہوتا ہے کہ اسے سکھانے والا استاد ایک ہے ۔

قبل اسلام بہت بڑی نیکی یہ تھی کہ کوئی شخص لباس سے بے نیاز ہو جائے ۔ یہ بہت بڑی نیکی اور بہت بڑی ولایت سمجھی جاتی تھی کہ وہ کپڑے پہنتا ہی نہیں حتیٰ کہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف برہنہ کرتے تھے ۔ بغیر لباس کے ۔ اسی طرح کم کھانا یا بہت ہی کم کھانا بھی عبادت کا ایک حصہ تھا ۔ اس کے پیچھے دراصل ایک فلسفہ تھا کہ انسان اگر جسمانی غذا کم کر دے ، فاقہ کشی شروع کر دے تو اسے ایک طرح کی قوت حاصل ہو جاتی ہے ۔ وہ اپنی توجہ ایک مقام پہ مرتکز کر سکتا ہے اسے ارتکاز توجہ کہتے ہیں ۔ کاہن ، جادوگر اور شیاطین پیشہ یہی طریقہ اختیار کرتے تھے جب انہیں ارتکاز توجہ یا کسی ایک مقام پہ توجہ مرتکز کرنے کی قوت حاصل ہو جاتی تو انہیں شیاطین نظر آتے یا ان سے باتیں کرتے ۔

یہ طریقہ ہندو جوگیوں میں آج تک رائج ہے ۔ ہمارے یہاں اس جنگل میں بھی نیچے پانی کا ایک چشمہ ہے ۔ ہندوؤں کے بنے ہوئے ایسے کئی جگہیں وہ چھوٹے چھوٹے کھنڈر اب تو گر گئے ہیں ۔ مقبرہ نما عمارت کو اس طرح بناتے تھے جس میں آدمی گھٹنوں کے بل داخل ہو کر نہ بیٹھ سکتا تھا نہ لیٹ سکتا تھا نہ کھڑا ہو سکتا تھا اور اس میں انہیں ایک مٹھ چنے دیدیے جاتے اور پھر کوئی دو ہفتے تک دانہ پانی نہ دیا جاتا ۔ کسی کو وہ سوگی دے دی مٹھ اور اسے دس دن کے لیے بند کر دیا ۔ اسطرح سے وہاں مشقتیں جھیلتے تھے جس کی وجہ سے ایک یکسوئی سی پیدا ہو جاتی تھی ۔ قوائے جسمانی مضمحل ہو جاتے تھے اور ذہنی قوتیں ایک جگہ پہ مرتکز ہونیکی طاقت حاصل کر لیتی تھیں ۔

بدقسمتی سے اسی کو ولایت الٰہیہ کا شاہکار بھی قرار دیا گیا ۔ اس میں جاہل واعظوں کا بہت بڑا حصہ ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اسلام کا ظہور ہوا تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بظاہر مال و دنیا نہیں تھا اور جن لوگوں کو قبول اسلام کی توفیق نصیب ہوئی ان میں اکثریت غرباء کی تھی امراء بھی تھے لیکن اتنے کم کہ نہ ہونے کے برابر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے ابتدائی ایام نہایت تنگی اور فاقہ مستی میں گزرے ۔ کچھ امراء جو ایمان لائے ان کے والدین یا خاندان والے مسلمان نہیں ہوئے ۔ انہوں نے مال ان سے روک لیا ۔ کچھ جو ایمان لائے ان کے ساتھ لوگوں نے تجارت اور لین دین بند کر دیا ۔ جو پاس تھا وہ انہوں نے مسلمانوں پر خرچ کر دیا ۔ اسی طرح ابتدائی تیرہ سال مکی زندگی کے بڑی عسرت اور بڑی تنگی میں گزرے ۔ مدینہ منورہ میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو بہت زیادہ تنگی تھی ۔ مسلمانوں پہ فاقہ مستی تھی ۔ اس پہ کفار کی روز روز کی چڑھائی لڑائیاں اور جہاد و غزوات ۔ ایسے حالات میں اس طرح سے ثابت قدم رہنا یہ صرف نبی کریم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ جو آپ کے دامان رحمت سے وابستہ ہو گیا اُسے دنیا کی کوئی مشکل اپنی جگہ سے ہلا نہ سکی ۔ اتنی فاقہ مستی ، بھوک ، خوف ، دشمنوں کا خطرہ ، کفار کا دباؤ ، سب کچھ اتنا تھا کہ خود رب جلیل نے فرمایا ۔

" انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا گیا " لیکن یہ ضروری نہیں کہ بھوکا رہنا یا فاقہ کرنا کوئی بہت بڑی عبادت ہے بلکہ یہ ایک آزمائش تھی کہ روئے زمین کی انسانیت کو پتہ چل جائے کہ یہ لوگ دولت کے لیے ایمان نہیں لائے یہ اللہ کی رضا کے لیے ایمان لائے ہیں ۔ فاقہ مستی میں بھوکے پیاسے گھر چھوڑ کر بھی یہ مسلمان ہی رہیں گے ۔

جب فتوحات کا دور شروع ہوا خود عہد نبوی میں جب جزیرۃ العرب سارا فتح ہو گیا تھا ۔ تو مسلمان آسودہ حال ہو گئے تھے ۔ کاشانہ نبوی میں دولت یا آرام کی زندگی اس لیے داخل نہیں ہو سکی کہ جو کچھ آتا تھا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرما دیتے تھے ۔ آپ فرماتے تھے امیر کی باری سب سے آخر میں آتی ہے ۔ جب تک رعیت کا ایک ایک فرد فارغ البال نہ ہو جائے امیر کے گھر میں دولت نہیں آسکتی ۔ آج بھی اسلام کا قاعدہ تو یہی ہے کہ ملک میں اگر کوئی مسلمان بھوکا پیاسا سوئے تو امیر کے لیے اچھا کھانا جائز نہیں ہے بلکہ کھانا تک جائز نہیں ہے ۔ اگر اسے علم ہو اور اسے علم ہونا چاہیے ۔

لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ عمداً مال و دولت رکھتے ہوئے آدمی بھوکا رہے، اچھا کپڑا نہ پہنے۔ پھر جب خلافت راشدہ کے دور میں فتوحات عام ہوئیں اور قیصر اور کسریٰ جیسی سلطنتیں فتح ہوئیں تو مسلمانوں کو جائز اور حلال مال غنیمت کے حصے سے اتنا ملا کہ ان کی دولت سنبھالے نہیں سنبھلتی تھی اور دولت مند بہترین لباس پہنتے تھے۔ اچھے اچھے ہتھیار رکھتے تھے۔ اچھے گھوڑے رکھتے تھے۔ اچھی سواریاں رکھتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں بھوک سے بیہوش ہو گئے تو عرب میں بیہوشی کا ایک علاج کیا جاتا تھا۔ بیہوش شخص کی گردن کی ایک رگ پر پاؤں رکھ کر دبایا جاتا اور وہاں خون رکتا تو اسے ہوش آجاتا۔ کسی نے دیکھا تو ان کی گردن پہ پاؤں رکھ کر دبایا۔ ہوش نہیں آیا تو چھوڑ دیا۔ دوسرے نے، تیسرے نے۔ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا تو فرمایا تم اس کا غلط علاج کر رہے ہو یہ بھوک سے بیہوش ہے یہ ویسے بیہوش نہیں ہے کہ تم دباؤ گے تو اسے ہوش آجائیگا کسی کے پاس کچھ کھانے کو ہو تو اسے دو۔ چنانچہ صحابہ اٹھا کر لے گئے۔ اور انہیں دودھ کا بندوبست کر کے پلایا۔ اسقدر فاقہ مست تھے کہ لیکن اسی مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور ان کے گھر میں جو قالین تھا اس میں ٹخنوں تک پاؤں دھنس جاتا تھا اور ان کی اپنی روایت موجود ہے فرمایا کرتے تھے بخ بخ ابوہریرہ تو وہی ہے جو بھوک سے بیہوش ہو جایا کرتا تھا۔ نیکی یہ نہیں ہے کہ آدمی کو رزق نصیب ہو اور وہ کھانا چھوڑ دے یا اس کے پاس حیثیت ہو اور وہ اچھا لباس نہ پہنے بلکہ یہ تو قبل از اسلام کفار کا رواج تھا۔ یا پھر کوئی کپڑے اتار کر گلیوں میں پھرنا شروع کر دے تو وہ ولی اللہ ہو جاتا ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔

"کس نے منع کر دیا ہے وہ زینت جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمائی کون ہے اسے حرام کرنیوالا؟"

مزیدار چیزیں تو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے کھانے کے لیے پیدا کی ہیں۔ کون ہے جسے یہ جرأت ہو کہ وہ اللہ کے بندوں کو اس سے روک دے۔ جب اللہ نے کوئی چیز اپنے بندوں کے لیے حلال کی ہے، مالک تو وہ ہے اور عبادت تو اس کام کو کہا جاتا ہے جس کا حکم اللہ دے۔ تو فرمایا: اللہ نے تو خوبصورت چیزیں، خوبصورت اور نفیس لباس، مزیدار سواریاں، مزیدار کھانے، لذیذ پھل، بہترین خوشبوئیں پیدا ہی اپنے بندوں کے لیے کی ہیں۔

اس آیت کریمہ سے یہ وضاحت بھی ہوتی ہے کہ دنیا میں بھی جو نعمتیں کافر استعمال کرتا ہے وہ مومن کے طفیل استعمال کرتا ہے۔ اللہ کریم نے جو انعامات اپنے بندوں کے لیے پیدا فرماتے ہیں۔ جو اس کا نافرمان ہو جاتا ہے اور شیطان کا بندہ بن جاتا ہے اگر خدانخواستہ کبھی دنیا پہ ایسا وقت آئے کہ اللہ کا بندہ کوئی نہ رہے تو وہ قیامت کے قائم ہونے کا وقت ہوگا۔ پھر کافروں کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ اور یہی نشانی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔ قیام قیامت کی فرمایا بہت بڑی نشانی یہ ہے حتیٰ لا یقال اللہ اللہ۔ جب کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہیں ہوگا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں۔ میں یہ نعمتیں، یہ نظام کائنات یہ بارشیں، یہ بادل، یہ ہوائیں، یہ پھول، یہ خوشبوئیں، یہ اعلیٰ قسم کے پھل، یہ مزیدار کھانے، یہ بہترین لباس اور بہترین سواریاں تو اپنے بندوں کے لیے دے رہا ہوں۔ پھر کون ہوتا ہے جو میرے بندوں کو اچھا کھانے سے، اچھا پہننے سے روک دے۔ قرآن حکیم نے شدت سے اس رواج کو رد کر دیا ہے۔ جو آج بھی مسلمانوں میں موجود ہے۔ بعض لوگوں کا بنک میں لاکھوں جمع ہوگا لیکن اپنی ولایت کا سکہ جمانے کے لیے جسم پر موٹا جھوٹا لباس ہوگا۔ نئے کپڑوں پر پیوند لگا لیں گے۔ ایک دری میں لپیٹ کر بستر کندھے پہ رکھ لیں گے۔ تو یہ شرعاً حرام ہے اور اللہ کی ناشکری میں آتا ہے۔

دوسری سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ آدمی صرف دکھاوے کے لیے ایسا کر سکتا ہے۔ خلوص سے نہیں۔ مجھے ایک دوست ملنے کے لیے آئے وہ یہاں پوٹھال کالج میں پرنسپل تھے، وہاں سے پیدل چکر مناڑے مجھے ملنے آئے اور پیدل واپس گئے۔ میں نے کہا یار میں اس نیکی کا قائل نہیں ہوں کہ آٹھ آنے کمایہ ہے۔ آپ نے ایک روپیہ بچایا اور ایک پورا دن ضائع کر دیا۔ اس ایک دن کی آپ کئی سو روپیہ تنخواہ گورنمنٹ سے لیتے ہیں۔ یعنی جو دن ضائع ہوا

یہ بھی آپ کا نہیں تھا۔ آپ اس کے بدلے تنخواہ لیتے ہیں حکومت سے۔ آپ کو حق ہی حاصل نہیں تھا کہ ورکنگ ٹے چھوڑ کر مجھے ملنے آتے۔ جوتا گھستا جائے گا میلا ہوتا رہے گا۔ خراب ہوتا رہے گا، اسے پالش نہیں کریں گے کہ یہ نیکی ہے۔ کوئی نیکی نہیں ہے۔ حلیہ بگاڑ لیں گے۔ بال پریشان کر لیں گے۔ کنگھی نہیں کریں گے۔ منہ نہیں دھوئیں گے کہ یہ نیکی ہے۔ یہ کوئی نیکی نہیں ہے۔ یہ کسی بھی ولایت کا تقاضا نہیں ہے بلکہ اللہ کو تو ایسے غلیظ لوگوں سے نفرت ہے

اسلام نے ہر ہر لمحے طہارت اور پاکیزگی اور صفائی کا حکم دیا ہے۔ حدیث شریف میں موجود ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غریبی یہ نہیں کہتی کہ کپڑا میلا کر لو۔ غریبی یہ ضرور روکتی ہے کہ آدمی قیمتی لباس خرید نہیں سکتا لیکن سستے لباس کو میلا کر لینا تو کوئی شرافت۔ اگر امیرانہ خریدنے کی سکت نہیں ہے کہ جو غریبانہ لباس ہے دھو کر صاف تو کر سکتا ہے۔

ایک شخص مسجد نبوی میں آیا ان کے بال پریشان تھے داڑھی کے بال بکھرے ہوئے ان پر مٹی جمی ہوئی۔ حضور نے فرمایا واپس جاؤ انہیں دھو کر کنگھی کر کے آؤ۔ اور مفسرین نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق لباس پہننا واجب ہے۔ ضروری ہے اور ایسی غذا استعمال کرنا جس سے جسم میں قوت بحال رہے اور وہ مزیدار بھی ہو اور اس کے جسم کو فرحت اور تازگی دے یہ واجب ہے اگر اسے چھوڑ دے گا تو فرائض اور عبادات میں بھی کوتاہی ہوگی۔ جسم کو لاغر کرے گا تو عبادت نہیں کر سکے گا۔

اس پوری شدت کے باوجود آج بھی اکثریت میں مشہور یہی بات ہے کہ جو آدمی کپڑے اچھے نہ پہنے حلیہ بگاڑ کر رکھے بلکہ میں دیکھ رہا تھا۔ اس آیت کے تحت اچھے کھانے کو بے لذت کر لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ آپ کھانے کو خواہ مخواہ ٹھنڈا کر کے کھائیں یا اسے بگاڑ کے کھائیں۔ اگر آپ کی حیثیت ہے آپ اچھا کھانا اچھی غذا کھا سکتے ہیں لیکن بچوں کو بھی تڑپائیں اور خود بھی تڑپتے رہیں ایک دانہ فروٹ کا گھر میں نہ ملے۔ بنک میں کروڑوں روپے پڑے رہیں۔ اور آپ سمجھیں کہ گھر میں فروٹ نہ لانا بہت بڑی بزرگی ہے اور ولایت ہے یہ کوئی نیکی نہیں ہے۔ اللہ نے توفیق دی ہے۔ آپ گاڑی رکھ سکتے ہیں لیکن آپ نہیں رکھتے سارا خاندان ذلیل ہو رہا ہے کوئی کھڑکی سے لٹک رہا ہے، کوئی کھڑکی سے چمٹ رہا ہے یہ کوئی عبادت کوئی نیکی کوئی ولایت نہیں ہے۔ آپ مکان بنا سکتے ہیں، بناتے نہیں ہیں جھگی میں بیٹھے ہیں لوگوں پر نیکی کا رعب جمانے کے لیے یہ کوئی نیکی نہیں ہے۔

اور مزے کی بات یہ ہے کہ کافروں نے تو کوشش یہ کی کہ جسم کو بھوکا پیاسا رکھ کر اسے ایک راہ پہ ڈالا جائے لیکن اسلام نے فرمایا کہ جسم کو توانا اور صحت مند رکھو۔ نبی رحمت کے تعلق نے دل میں وہ محبت ڈال دی کہ وہ اس کے خلاف جا ہی نہیں سکتا۔ ایسے ایسے جری، جن کے نام سے دنیا کے حکمران تھراتے تھے جب آذان ہوتی تو ان کے پسینے چھوٹ جاتے یہ نہیں کہ انہوں نے بھوک پیاس سے جسم کو کمزور کر لیا اور مجبوراً اللہ کی اطاعت کرتے تھے کہ نفس سرکشی نہ کرے۔ نہیں! ایسا تصور اسلام میں نہیں ہے۔

اسلام یہ ہے کہ آپ اچھا کمائیں، محنت سے کمائیں، حلال کمائیں، ہاں اپنا حلال میسر نہیں ہے تو دوسروں پر رعب ڈالنے کے لیے ادھار لیکر شاندار لباس بنانا بھی شرعاً حرام ہے۔ یہ اسراف میں داخل ہے اپنی حیثیت نہیں ہے تو کسی کا مال چھین کر اپنے لیے گھر بنانا، اپنے لیے سواری بنانا، اپنے لیے لذیذ کھانے بنانا یہ شرعاً حرام ہے یہ جائز نہیں ہے۔

اسلام کا راستہ درمیانی راستہ ہے۔ اعتدال کا راستہ ہے۔ محنت کرو، حلال کماؤ، اچھا کھاؤ، اچھا پہنو۔ صاف ستھرے رہو، خوبصورت لگو۔

اِنَّ اللّٰہ جمیلٌ ویحب الجمال۔ اللہ خود حسین ہے حسن کو پسند کرتا ہے۔ اللہ کو یہ پسند نہیں ہے کہ دنیا بھر کے لولے لنگڑے کوجھے کملے گندے غلیظ اکٹھے کر کے اپنی فوج بنا لے۔ اللہ کو یہ پسند نہیں ہے اس کے پاس تو اسکے بندے دنیا جہاں کے بہترین لوگ ہوتے ہیں۔

اسلام نے جتنا زور پاکیزگی۔ طہارت اور صفائی پر دیا ہے مذہبی اعتبار سے آپ کو کسی مذہب میں اتنا زور نہیں ملے گا تو فرمایا۔

"اے میرے حبیب ان سے کہیئے کہ ایسا کون ہے جس نے میرے بندوں سے مزیدار لباس اور اچھے کھانے روک دیئے ہیں"۔ کوئی بھی نہیں کسی کو کیا حق حاصل ہے۔

پھر فرمایا "میرے حبیب ان لوگوں کو بتا دو یہ نعمتیں دنیا میں ہیں ہی ان لوگوں کے لیے جو مجھ پر ایمان لاتے ہیں۔" کافر تو ان کے طفیل کھاتا ہے اگر مومن نہ ہو تو دنیا ہی ختم ہو جائے کافر رہے کہاں۔ کھائے کہاں سے اور یہ کافر ان کے طفیل صرف دنیا میں کھاتا ہے چونکہ دنیا دارالعمل ہے دارِجزا نہیں ہے جب دونوں آخرت میں پہنچیں گے تو مومن بھی اور کافر بھی۔

"یہ نعمتیں قیامت کو صرف مومنوں کے لیے ہوں گی۔" کافر کو ایک قطرہ پانی نصیب نہیں ہو گا۔ دنیا دارِعمل ہے اور ہر ایک کو فرصت دی گئی ہے۔ لیکن یہاں نعمتیں پیدا مومن کے لیے ہوتی ہیں۔ کھاتا کافر بھی ہے۔ آخرت کو کافر کو نہ سایہ نصیب ہو گا نہ لباس نصیب ہو گا۔ نہ پانی نصیب ہو گا۔ نہ کھانا نصیب ہو گا۔ کوئی نعمت اس قسم کی ایک ذرہ نصیب نہیں ہو گی وہاں صرف اور خالصتاً مومن کے لیے رہ جائیں گی۔

فرمایا "جن میں کچھ شعور کچھ علم کچھ جاننے کی صلاحیت ہو ان کے لیے باتیں تو ہم کھول کے کر دیتے ہیں۔" اگر خود ہی کوئی اپنی عقل کا دروازہ بند کر لے۔ ہمارے ہاں حال یہ ہے کہ ایک شخص لوگوں سے چھپ کر منوں کھالے لیکن لوگوں کے سامنے فاقہ مستی کا اظہار کرے۔ کروڑوں روپے جمع کرے لیکن لوگوں کے سامنے پھٹا لباس پہنے وہ تو ولی اللہ ہو گیا۔ آپ لاکھ نیکی کریں صرف کپڑے دھو کر پہن لیں، جوتا پالش کر کے پہن لیں۔ تو کوئی بھی آپ کو نیک آدمی نہیں مانے گا۔

یہ دراصل پرانی رسم ہے۔ جو قبل اسلام آرہی ہے ورنہ یہ ولایت کی شرطوں میں سے نہیں ہے۔ اس میں کچھ قصور ان صوفیوں کا بھی ہے جنہوں نے مبتدی طالبوں کو ان کی اصلاح کے لیے کم کھانے اور اچھا لباس نہ پہننے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے خلوص سے ایسا کیا کہ یہ لوگ اسطرح ریا سے تکبر سے اور ان مذموم اوصاف سے اپنے آپ کو بچانے پر قادر ہو جائیں وہ بھی صرف مبتدیوں کیلئے جب ان میں کچھ قوت کچھ استعداد پیدا ہو گئی تو پابندی ہٹا دی گئی۔

لیکن میری اپنی ناقص رائے یہ ہے کہ جن حضرات نے، ان پہ کروڑوں رحمتیں نازل کرے۔ یہ طریقے تجویز کئے۔ ان میں یہ قوت باطنی اس درجے کی نہیں تھی جس درجے کی کسی استاد میں ہونی چاہیئے۔ انہیں چاہیئے نہیں تھا کہ دوسروں کو سکھانے کے لیے اپنے پاس بٹھا لیتے۔ انہیں بتا دیتے کہ کہیں ایسی جگہ جاؤ جہاں تم اچھا کھاؤ یا اچھا پہنو، اس کے باوجود محبت الٰہی تمہارے دل میں دھنستی چلی جائے۔ اس کے بغیر کہ تم جسم کو لاغر کرو اور کمزور کرو بغیر اس کے کہ تم کاروبارِ حیات چھوڑ دو۔ بغیر اس کے کہ تم کاروبار سے باہر نکل آؤ۔ تمہارا ہر کام عبادت الٰہی بنتا چلا جائے۔ تم بازار میں ہو یا تم کاروبار میں ہو تم دفتر میں ہو یا گھر میں ہو نہ صرف تمہارا دل تمہارے جسم کا رواں رواں اللہ اللہ پکارنا شروع کر دے اور اگر یہ استعداد نہ تھی تو میرے خیال میں انہیں ان طریقوں کا سہارا لینا ہی نہیں چاہیئے تھا۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمداً کسی کو بھوکا رہنے کا حکم نہیں دیا۔ ہاں اگر کسی پر من جانب اللہ فقر و فاقہ آگیا تو اسے صبر کی تلقین آج بھی ہے اس وقت بھی تھی۔

رب جلیل فرماتے ہیں یہ کھانا پینا چھوڑ دینا، کپڑے نہ پہننا، نیکی نہیں ہے۔ نیکی کیا ہے؟ فرمایا "میرے رب نے تو بے حیائی سے روکا ہے۔" ایک امیر آدمی کپڑے اچھے نہ پہنے، کھانا اچھا نہ کھائے، لیکن کام بے حیائی کے کرے۔ فرمایا۔ اچھا کھاؤ، حلال کھاؤ، حلال کما کر اچھا پہنو لیکن بے حیائی کا کام نہ کرو۔ ناپسندیدہ حرکات نہ کرو، خواہ وہ چھپی ہو یا ظاہر ما ظاہر منھا و بطن۔ "خواہ وہ چھپی یا ظاہر" سے دو مراد ہیں مثلاً کوئی سرے عام برائی کرتا ہے یا چھپ کر کرتا ہے۔ یا دوسروں پر اس کا اظہار ہوتا ہے یا اپنے دل میں ہی سوچتا ہے۔ مثلاً کسی کو تاڑنا شروع کر دیتا ہے۔ کسی کی باتیں شروع کر دیتا ہے۔ کسی کیلئے بُرا سوچنا شروع کر دیتا ہے، فرمایا ظاہراً کوئی حرکت بے حیائی کی ہو وہ چھوڑ دو یا باطناً یا پوشیدہ بے حیائی ہے اسے چھوڑ دو۔ اللہ نے بے حیائی سے روک دیا ہے۔ خواہ وہ رات کی تاریکی میں ہو، تنہائیوں میں جنگل میں ہو یا سر بازار ہو، ظاہر ہو یا پوشیدہ ہو حرکات کی ہو یا سوچ کی ہو ہر قسم کی بے حیائی سے رب جلیل نے منع کر دیا ہے۔

گناہ کے کاموں سے روکا ہے اللہ نے۔ بغاوت سے اللہ نے روک دیا ہے۔ گناہ ہوتا ہے وہ معاملہ جو اپنی ذات سے متعلق ہے اللہ کی اطاعت نہ کی جائے اسے گناہ کہتے ہیں۔ وہ معاملہ جو کسی دوسرے سے بھی متعلق ہے اس میں اللہ کی نافرمانی کی جائے۔ اسے بغی یا بغاوت کہا جاتا ہے۔ جس میں ایک سے زیادہ ملوث ہو جائیں۔ ایسے حق میں

زیادتی کرنا، ظلم کرنا بغاوت کا جرم ہے۔ اپنی ذات کا مثلاً وقت پہ نماز ادا نہیں کی روزہ نہیں رکھا یا اور ذاتی معاملہ جو اللہ کے اور اس کے درمیان ہے۔ اس میں کوتاہی کی تو یہ گناہ ہوگا۔ دوسرے کے ساتھ لین دین ہے، کاروبار ہے۔ ملازمت ہے ہم تنخواہ لے لیتے ہیں۔ پورا کام نہیں کرتے یا اجرت لے لیتے ہیں اور اس کے بدلے جو وعدہ کیا تھا وہ مال نہیں دیتے۔ اس طرح کا جو ہے لین دین یا کسی کی عزت یا کسی کا مال اس میں مداخلت ناحق، یہ بغاوت ہوگی۔

تو فرمایا رب جلیل نے جن کاموں سے روکا ہے وہ تو کر لیتے ہو۔ بظاہر لوگوں کے دکھانے کے لیے پھٹا، میلا کچیلا لباس پہننے والے لوگ یہ سارے کرتوت کرتے ہیں۔ چونکہ ولایت انہوں نے بنائی ہی دکھاوے کے لیے ہوئی ہے۔ لوگوں سے مال حاصل کرنے کے لیے، اپنا ناجائز تسلط رکھنے کے لیے، ٹھگنے کے لیے لوگوں کی عزتیں لوٹنے کے لیے۔ فرمایا اصل تو اللہ نے ان کاموں سے روکا تھا جو تم نے شروع کر دیئے، کھانے اور پہننے سے تو نہیں روکا تھا کہ تم اچھا کپڑا نہیں پہنو، اچھا کھانا نہیں کھاؤ۔ اس سے تو منع نہیں کیا، منع تو ان کرداروں اور ان کرتوتوں سے کیا تھا جو تم نے بھوکے رہ کر اور پھٹا لباس پہن کر بھی کرنا شروع کر دی ہے۔

فرمایا۔ ان دو باتوں سے روکا تھا کہ میری ذات اور میری صفات میں کسی کو شریک نہ کرو، لیکن تم نے یہی تصرف اپنے ذمہ لے لیا کہ ہم یہ کریں گے۔ ہم وہ کرینگے۔ یعنی نیک بننے کا یہ مطلب بنا لیا کہ تم نے اپنی الوہیت لوگوں پہ مسلط کر دی کسی کو کہتے ہو میں اولاد دیتا ہوں، کسی کو کہتے ہو بیماری سے شفا دیتا ہوں۔ تم پروردگار عالم بن کر بیٹھ گئے اور کہتے ہو کہ ہم موٹا جھوٹا کھاتے ہیں، موٹا جھوٹا پہنتے ہیں تو کیا فائدہ تمہارا پہننے کا یا بھوکا رہنے کا کہ لوگوں کو تم توحید باری سے ہٹا کر، شرک کی دلدل میں غرق کرنے کے لیے لے گئے اور لوگوں سے تم نے وہ کام کروانے شروع کر دیئے جن کے کرنے کا اللہ نے حکم نہیں دیا تھا۔ دین میں جتنی بدعات ہیں وہ ساری اسمیں آجاتی ہیں تم نے خواہ مخواہ کی رسومات شروع کروا کے ان کو عبادات کا نام دیدیا۔ فلاں تاریخ کو دیا جلانا عبادت ہے۔ فلاں ذات کو سیویاں پکانا عبادت ہے اور فلاں دن کو چاول پکانا عبادت ہے۔

یہ رسومات گننے کو بیٹھو ان کی حد ہی کوئی نہیں۔ ہندوؤں نے ستی کی رسم شروع کی تھی۔ برہمن کی چال تھی کہ جس عورت کا خاوند مر جائے، عورت کو اس کے خاوند کے ساتھ جلا دیا جائے۔ لیکن اس میں برہمن نے چال یہ چلی کہ وہ عورت سارے زیور جو اس کے گھر میں اس کی ملکیت ہیں وہ پہن کر جاتی ہے اور چتا میں بیٹھتی ہے۔ زیور تو برہمن اتار لیتا ہے اور بیوہ کو آگ کے حوالے کر دیتا ہے۔

اسی طرح کم از کم ہر مردے کے ساتھ جسے جلانے کے لیے لیکر جاتے ہیں دس بارہ تھال کھانے کے ضرور جاتے ہیں جو برہمن کھاتا ہے۔ پہلے یہاں بھی تھا ہم نے دیکھے ہیں۔ بعد میں آنیوالے لوگوں نے نہیں دیکھے۔ اب تو ملک تقسیم ہوئے بھی عرصہ ہو گیا۔

پنڈی سے آتے ہوئے راستے میں ایک گاؤں ہے سڑک کے اوپر۔ غالباً سڑک کے دوسری طرف قبرستان ہوگا گاؤں بالکل اسی طرح جسطرح ہمارا منارہ ہے۔ نور پور ہے سڑک پر ہے مکان سڑک سے ملتے ہیں۔ میں نے پنڈی سے آتے ہوئے دیکھا تو ایک طرف سے ایک میت اٹھا کر لوگ نکلے غالباً کوئی اچھا آدمی ہو گا یا جوان ہوگا۔ بے شمار لوگ تھے اور بیشمار عورتیں چھتوں پہ بھی کھڑی تھیں دیکھنے کے لیے۔ چارپائی کے آگے آگے سات آٹھ ڈشیں تھی کسی میں پلاؤ تھا کسی میں زردہ تھا، کسی میں اس وقت شاید ککھڑی کا موسم تھا۔ وہ کٹی ہوئی تھیں، کسی میں اور کوئی فروٹ کٹا ہوا تھا کسی میں ڈرائی فروٹ تھا آٹھ سات ڈشیں تھیں جو یک لوگ وہاں قبر پہ بیٹھ کر کھالیں گے۔ یعنی بظاہر بھوکے نظر آنے والے بظاہر موٹا کپڑا پہننے والے اس حد تک گزر گئے کہ بالکل جو کچھ ہندوؤں کے پاس تھا وہ بھی لینے سے نہیں ہچکچائے کہ چلو کچھ کھانے کو تو مل جائے گا۔

یہی بات یہاں رب جلیل نے فرمائی کہ اللہ نے جن کاموں سے منع کیا تھا لوگوں نے وہ اختیار کر لیے۔ جن کی اجازت دی تھی انہیں چھوڑ دیا اور اس کو نیکی اور عبادت کا درجہ بنا دیا۔ کہ آج ہر مخبوط الحواس اور ہر ننگا پھرنے والا اور جتنی فحش گالیاں بکے اتنے پائے کا ولی اللہ تصور ہوتا ہے۔ یعنی جتنی اس کی زبان غلیظ ہو جتنی آلودہ ہو، جتنی بڑی گالیاں بکتا ہو

شرطِ قبولیت

اللہ تعالیٰ کسی قول کو بغیر عمل کے اور
کسی قول و عمل کو بغیر نیت کے
اور کسی قول و عمل و نیت کو بغیر
مطابقت سُنت کے قبول نہیں کرتا۔

(ارشادِ نبویؐ)

اتنے بڑے درجے کا ولی اللہ شمار ہوتا ہے۔

قرآن حکیم نے اس کو سختی سے رد فرمایا ہے۔ اللہ کریم نے ہر بے حیائی سے روکا ہے خواہ وہ زبانی ہو، نگاہ کی ہو، سوچ کی ہو یا کردار کی ہو۔ ظاہر ہو یا چھپی ہوئی۔ فرمایا بے حیائی کرنے کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ اللہ کریم نے گناہ سے روکا ہے۔ جو کام شرعاً جائز نہیں ہیں وہ نہ کیا جائے۔ اللہ کریم نے بغاوت سے روکا ہے۔ کسی کے حق پر ڈاکہ نہ ڈالا جائے۔ اور اللہ کریم نے شرک سے روکا ہے۔ لوگوں کو اپنی الوہیت کا یقین نہ دلاتے پھرو، ساری مخلوق اللہ کے سامنے مخلوق ہی ہے وہ چاہے وہ ایسا قادر ہے کہ شیطان نے رد ہونے کے بعد دعا کی۔

"خدایا مجھے قیامت تک مہلت دے دے" تھوڑی سی تبدیلی فرما کر اللہ نے مان لی۔ فرمایا "تجھے مہلت دیدیتا ہوں لیکن قیامت تک نہیں یہ میرے علم میں بات رہے گی کہ کب تک تیری مہلت ہے۔ ابھی تک تو عیش کرتا جا رہا ہے۔ اور اللہ کے ایک عظیم نبی نے جس کی ایک ہی دعا پر دنیا غرق کر دی۔ فرمایا "روئے زمین پر کسی کافر کو دم نہ لینے دے۔" ساری خدائی اللہ نے غرق کر دی اور ایک بندے کے بچے کے لیے دعا کی کہ "خدایا میرا ایک بیٹا ہے ان میں اسے بچا لے" تو فرمایا "نہیں چھوڑوں گا۔" اسکی مرضی کہ اسی ہستی کی دعا اس قدر قبول فرمائی کہ اپنی ساری مخلوق کو غرق کر دیا اور اس ہستی کے سگے بیٹے کے متعلق فرمایا یہ تیرا کچھ نہیں لگتا۔ یہ بدکار ہے، تو اللہ کا نبی ہے تیرا اسکا کیا رشتہ اسے جانے دے میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔

تو کوئی ولی اللہ ہے یا کوئی عام آدمی یہ تو اس کی مرضی کہ کسی بڑے سے بڑے ولی کو دعا مانگنے سے ہی روک دے اور کسی گنہگار کی دعا سن لے تو کون اسے روک سکتا ہے الوہیت تو اس اکیلے کی ہے۔ وہ جس کی دعا مان لے۔ دعا دراصل ایک عاجزانہ درخواست ہے حکم تو نہیں ہے۔ کوئی نیک ہے یا پارسا ہے ولی اللہ، کوئی اللہ پر حاکم تو نہیں ہے اس کا بندہ مانگ سکتا ہے حکم تو نہیں دے سکتا۔

اسی طرح ایسی رسومات کو ثواب اور دین کا درجہ دے دینا جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنے کا حکم نہیں دیا جن کاموں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثواب کا وعدہ نہیں فرمایا۔ ان پر بیک اور آپ یا کوئی ملاں ملوانا یا پیر فقیر وعدہ کرے ثواب کا تو یہ سخت زیادتی ہے۔ بلکہ یہ ظلم اتنا بڑا ظلم ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہ جھوٹ باندھنا ہے۔ چونکہ کوئی اپنی طرف سے تو نہیں کہہ سکتا کہ یہ ثواب ہے اور یہ گناہ ہے جو کہے گا اس کی مراد یہی ہوگی کہ وہ حضورؐ کی طرف سے یا اللہ کی طرف سے کہہ رہا ہے اور فرمایا یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

اور فرمایا نیکی یہ نہیں ہے کہ کوئی بھوکا رہے یا پھٹے ہوئے کپڑے پہنے نیکی یہ ہے اچھا کھاؤ، اچھا پہنو لیکن چھین کر نہیں، جائز ذرائع سے کما کر نہ صرف اپنا پیٹ پالو، بلکہ اور غربا، ومساکین کے پالنے کا سبب بن جاؤ۔ نیکی یہ ہے کہ بے حیائی سے رک جاؤ، خواہ وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔ کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تو مومن کو یقین ہے کہ میرا رب دیکھ رہا ہے اس کے لیے رک جاؤ گناہ سے رک جاؤ۔ دوسروں کا حق چھیننے سے رک جاؤ، بدعات جاری کرنے اور دین میں رسومات جاری کرنے سے باز آجاؤ۔ دین وہی ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول نے بتا دیا ہے۔ اس میں کوئی کمی یا بیشی کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں۔ اللہ کریم سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق ارزاں فرمائے۔

قصیدے
تیری عظمتوں کے

حضرت مولانا محمد اکرم

دلوں میں مچلتا ہے ذوقِ زیارت
لبوں پہ قصیدے تیری عظمتوں کے
مدینے کے راہی ہیں دو جگ سے فارغ
وہ طالب ہیں آقا تری برکتوں کے
پیشانی منور ہے سجدوں سے انکی
دلوں میں ہیں ذکرِ الٰہی کے جلوے
کوئی ہے مجاہد تو غازی ہے کوئی
ہیں ان کے شب و روز میداں میں گزرے
کوئی مثلِ بادِ سحر اس جہاں میں
رہا بانٹتا تیری خوشبو کے جھونکے
مگر ایک بے بس تہی دست خادم
ہے چھیڑے ہوئے تیری الفت کے قصے
نہ عابد نہ زاہد نہ واعظ نہ قاری
ہے پھیلائے دامن کھڑا در پہ تیرے

تمنا لئے در پہ حاضر ہوں آقا
ہوں طالب نظر کا جو شعلہ دکھاوے
جلے میرا سینہ اُٹھے اس سے طوفاں
جو مسلم کے سینے میں ہلچل مچاوے
تیرے عشق کی آگ بانٹوں دلوں کو
محبت کا شعلہ جو خرمن جلاوے
بنا دوں میں مسلم کو دیوانہ تیرا
محبت تیری رقصِ بسمل سکھاوے
دلوں میں محبت کے چشمے رواں ہوں
جہاں سے وہ سب نفرتوں کو مٹاوے
پھر انساں سکوں آشنا ہو دہر میں
یوں خالق سے وہ اسکا رشتہ بناوے
لبوں پہ فقیر اپنے شام و سحر ہے
الٰہی بہار ایسی پھر سے دکھاوے

اسرار التنزیل

حضرت مولانا محمد اکرم

ہم کون ہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ .... عَنْ قَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

دنیا میں ہر قوم ہر معاشرہ تہذیب اور مذہب کے نام پر اپنی ساخت کے طور پر کچھ قدریں مقرر کر لیتا ہے اور وہ اقدار اُس معاشرہ کی پہچان بن جاتی ہیں اور معاشرے کا ہر فرد انہیں جان سے عزیز رکھتا ہے لیکن یہ کائنات ہماری نہیں ہے، ہم اس کے چلانے والے نہیں، ہم اس کو قائم رکھنے والے نہیں، بلکہ من جملہ تخلیقات باری کے ہم بھی ایک مخلوق ہیں۔ وہ اس کا خالق ہے اس کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ اس کو چلا رہا ہے۔ وہ اس میں بسنے رہنے کی اقدار مقرر کرے یہ اُس کا حق ہے وہ جب ہرن کو شیر کی خوراک بنا دیتا ہے تو کوئی جُرم نہیں ہوتا۔ ہرن بھی اُس کا اپنا ہے، شیر بھی اُس کا اپنا ہے۔ لیکن مَیں اور آپ اُس کے اذن کے بغیر کسی کی جان لینے کے مجاز نہیں ہیں ہم نے نہ شے بنائی ہے، نہ اس میں جان ڈالی ہے، نہ ہماری ملکیت ہے، نہ ہمارا اُس پہ تصرف ہے۔ ہاں جس کی وہ اجازت دے کیونکہ ہر چیز اُس کی ملکیت ہے۔ خدا ناشناس معاشرہ اُس کی عظمت سے بے خبر لوگ اپنے آپ کو اس کی جگہ سمجھ لیتے ہیں۔ کفر کیا ہے؟ خدا کی خدائی میں اُس کے خدا ہونے سے انکار کر دے اللہ کی کائنات میں اپنی رائے سے اپنے ارادے سے، اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے کچھ اقدار مقرر کرے یہ کفر ہے۔ تمام مذاہب باطلہ میں ایک قدرِ مشترک ہے۔ اُن مذاہب کے بانی یا اُن کے چلانے والے جو لوگ ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں کی کمائی ہوئی دولت پر عیش کرنے کے لیے جیتے ہیں۔

ہندو مَر جائے تو اُس کی عورت کو سَتی کر دیتے ہیں اور سارا زیور پہنا کر کرتے ہیں۔ تو جب سَتی ہی ہونا ہے تو سارے گھر کا زیور لادنے کی کیا ضرورت ہے اس لیے برہمن اُتار کر لے جائے مسلمان معاشرہ بھی جب بگڑتا ہے۔ تو اسلام کے نام پر لوٹ مچائی جاتی ہے۔ تو دوسرے کو توکل کا درس دے کر اُس کی جیب سے پیسے لے لیے جاتے ہیں اور وہ اتنا ناداں ہوتا ہے کہ تجھے خدا کا دروازہ دکھانے والا خود خدا سے کیوں بے خبر ہے خود اپنے رزق کے لیے اُس کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق کام کیوں نہیں کرتا تیرے پیسے پہ کیوں بیٹھا ہے۔

قرآن کریم نے بتایا ہے یہود و نصاریٰ کے علماء پیسے لے کر احکام دین تک تبدیل کر دیتے ہیں اور لوگوں کی پسند کے مطابق بنا دیتے ہیں۔

ہر نبی کے دین کا نام اسلام ہے ہر نبی نے اللہ کی توحید کی طرف دعوت دی ہے۔ اپنی نبوت کے ساتھ آقائے نامدار محمد رسول اللہ کی نبوت منوائی ہے۔ احکام میں اختلاف ہو سکتا ہے عقائد میں کوئی اختلاف نہیں اور دین عقائد کا نام ہے۔ اسلام میں داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اور جہاں تک چلے انبیاء کا تذکرہ ملتا ہے، وہ کہتے ہیں لوگو ہم تم سے کوئی بدلہ

وصول نہیں کرنا چاہتے ہم تمھارا کام نہیں کر رہے ہم جس کے
نبی ہیں کام اس کا کر رہے ہیں۔ ہمارا اجر اُس کے ذمہ ہے۔

لوگ جب اللہ کی کائنات میں اپنے چند طریقے، قاعدے،
اور اسلوب بنا لیتے ہیں تو اُن پر جان لڑا دیتے ہیں۔ کیونکہ اُن کی
اپنی خدائی خطرے میں پڑ جاتی ہے جسے وہ چھوڑنا نہیں چاہتے۔

انبیاء جب آتے ہیں تو اُن چیزوں پر ضرب لگتی ہے اور
وہ انہیں ڈھا کر اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کو جاری کرنا چاہتے
ہیں جہاں ایک مندر رہنا ہوا ہے آپ وہاں مسجد بنانا چاہتے ہیں
تو اُس کی ہیئت تو بگڑے گی، صرف ہیئت ہی نہیں بگڑے گی
بلکہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ مٹ جائے گا آپ وہاں ایک نیا کام شروع
کرتے ہیں۔ اس پہ لوگ اکڑ جاتے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم
ارشاد فرماتا ہے کہ یہ نئی بات نہیں ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ کو
ہجرت پر مجبور کیا گیا۔ یہ لوگ شروع سے اس طرح کرتے چلے آئے
ہیں۔ کہ شعیب علیہ السلام سے اُن کی قوم نے کہا میاں شعیب!
نہ صرف تُو بلکہ تیرے ساتھ جو لوگ ہمارے بنائے ہوئے اصولوں
کو پامال کرنا چاہتے ہیں ہم تم سب کو اپنی بستی سے، آبادی سے
اپنے شہر سے نکال دیں گے۔ تم یہاں نہیں رہ سکو گے یہ گھر ہمارا
ہے، یہ شہر ہمارا ہے، یہ بستی ہماری ہے۔ یہاں ہمارا قانون چلے
گا۔ اگر تم رہنا ہی چاہتے ہو تو اپنے آپ کو ہمارے معاشرے میں
ڈھال لو۔ جیسے ہم ہیں ویسے ہو جاؤ۔ تمھارے لیے جگہ ہے
اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو تم یہاں نہیں رہ سکو گے۔ انھوں نے
کہا ہم تمھارے قانون کو کیسے قبول کریں۔ جب ہم اُسے پسند ہی نہیں
کرتے، جب ہم چاہتے ہی نہیں،

حضرت شعیب انہیں کہتے ہیں۔ اگر ہم تمھارے معاشرے
میں شامل ہو جائیں تو اس کا مطلب اور نتیجہ یہ ہو گا کہ جو کچھ ہم نے
کہا ہے وہ اللہ پر بہتان باندھا ہے اور اگر ہم اس دعوت کو جو
میں لے کر آیا ہوں چھوڑ دیں اور تمھارے ساتھ شامل ہو جائیں تو
اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے کہا ہے ہم نے جھوٹ
بولا ہے۔

اب اپنے معاشرے کی طرف آئیں جب ہم کہتے ہیں۔
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو
ہم نے تمام قدریں (ترک کر دیں) کہ کوئی کچھ بھی نہیں ہے اقتدار
اعلیٰ الہ العالمین کے پاس ہے اور ہمارے پاس ایک ذریعہ،
ایک واسطہ ہے کہ ہم خدا سے بات کر سکتے ہیں ہمارے پاس محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم۔ خدائی خدا کی ہے۔ کائنات اُس کی ہے۔
ہمارے پاس اُس کے ساتھ بات کرنے کا ذریعہ موجود ہے چنانچہ
ہم خدائی میں ایسے رہیں گے۔ جیسے خدائی کا بنانے والا ہمیں حکم دے
گا یہ ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا مفہوم اور
ما حاصل۔

لیکن جب ہم میدان عمل میں آتے ہیں تو ہماری شکل ہندوؤں
کی طرح ہے۔ لباس نصاریٰ کی طرح۔ لین دین یہود کی طرح۔
کھانا پینا مشرکین کی طرح۔ رسوم مشرکانہ۔ یعنی ہم اپنے آپ کو
پورے غیر اسلامی معاشرے میں ڈھال لیتے ہیں۔ ہمارا یہ ڈھلنا
ہی کلمے کی تردید کے لیے کافی ہے۔

اللہ کے نبی نے یہ بات بلاوجہ نہیں کہی۔ اور خداوند کریم
نے قرآن محض رعب جمانے کو نازل نہیں کر دیا بلکہ مسلمان کے
لیے یہ لمحہ فکریہ ہے۔

حضرت شعیبؑ فرماتے ہیں ہمیں تمھارا ماحول پسند
نہیں۔ تمھارا تمدن پسند نہیں ہے۔ تمھارا طرز حیات پسند نہیں
ہے لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی ضرورت سمجھ کر اپنی مجبوری
سمجھ کر، ہم تمھارا معاشرہ قبول کر لیں گے۔ مگر ہماری دعوت پر
جو اثر پڑے گا وہ یہ ہو گا کہ جو کچھ ہم نے کہا قَدِ افْتَرَيْنَا
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ ہم نے تو خدا پر جھوٹ باندھا یہ تو ٹھیک نہیں
تھا۔ ہمارا دعویٰ تو یکسر غلط ہوا اور دعویٰ نہیں تھا ہم تو کہہ رہے
تھے کہ ہمارے پاس تو اللہ کا پیغام آیا ہے۔ خالق کائنات نے
ہم سے کہا ہے یہ کام یوں کرو پھر وہ کام ہم اس طرح سے
نہیں کر سکتے جس طرح خالق نے کہا اُس طرح سے کرتے ہیں جس
طرح سے خدا بیزار معاشرہ کرتا ہے۔

حضرت شعیبؑ اس کا فیصلہ یوں فرماتے ہیں لوگو!
اس کا مطلب، اس کا ما حاصل جانتے ہو کیا ہے؟
قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ گویا یہ تو ہم نے خدا
پر جھوٹ باندھا۔ (اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِکُمْ بَعْدَ ..... مِنْھَا)
جب ہم تمھارے طریقوں سے تمھارے رسم و رواج سے نجات
ہی حاصل کر لیں اللہ کی اطاعت میں۔ خدا نے ہم سے وہ بوجھ
اُتار بھی دیا۔

چونکہ غیر اسلامی معاشرہ انسان پر بوجھ لادتا ہے غیر
فطری امور پر، غیر طبعی امور پر انسانوں کو مجبور کرتا ہے اور منزل

من اللہ جو دین ہوتا ہے وہ انسان کے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے دین میں اور غیر دینی معاشرے میں بڑا فرق ہوتا ہے دین نام ہے بھرپور زندگی نہایت مزے سے گذارنے کا۔ لادین معاشرہ جو ہے وہ بے شمار بوجھ لاد دیتا ہے انسان پر تو فرمایا جب اللہ نے وہ بوجھ ہماری گردن سے اتار ہی دیا تو پھر ہم نہ چاہتے ہوئے وہ کام کریں۔ اگر یہ سب ہی ہم برداشت کرلیں تو یہ بات کیسے درست ہے کہ جو ہم کہتے ہیں لا الہ الا اللہ تو بھلا ہم یہ جھوٹ بولتے ہیں۔

فرمانے لگے تم ہمیں قتل کردو تم ہمیں شہر سے نکال دو، تم ہمارے ساتھ جو ظلم بھی کردو وہ برداشت کرسکتے ہیں لیکن ہم واپس تمہارے جیسے نہیں ہوسکتے

آج کا مسلمان پریشان کیوں ہے آپ اپنا کوئی سا پرچہ روز مرہ کا اُٹھا کر دیکھیں، دیکھیں حکمران جو ہوتے ہیں کریم آف دی نیشن ہوتے ہیں پوری قوم کا سر ہوتے ہیں نچوڑ ہوتے ہیں میں اکثر دیکھتا ہوں غیر ملکی سفارت آتی ہے، کافر ملکوں سے حتیٰ کہ ہندوستان کے ہندو آتے ہیں۔ فوٹو چھپتا ہے شکل دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ ہندو ہے یہ مسلمان ہے اسلام کہاں ہے۔

کھانے پینے میں اسلام نہیں ہے کاروبار میں اسلام نہیں ہے۔ لباس اور ظاہرداری تک میں اسلام نہیں ہے تو پھر یہ کیا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اس پر ہمارا کتنا یقین ہے۔

ایمان کے متعلق میں نے عرض کیا ہے ایمان یقین کا نام ہے ایمان کسی جانور کا نام نہیں ہے ایمان ایک کیفیت کا نام ہے جو یہاں ہوتی ہے اسے یقین کہتے ہیں جیسے اب ہمیں یہ یقین ہے کہ ہم نے نماز پڑھنی ہے ہم پر فرض ہے دوسرا آتا ہے وہ کہتا ہے کہ بھئی کیا فائدہ ہے نماز کا اسے چھوڑو تو اگر ہم چھوڑ دیتے ہیں...... یقین تو یہ ہے کہ ساری دنیا کچھ بھی کہے میاں نماز فرض ہے نماز پڑھتے ہیں۔ تو جب لا الہ الا اللہ نے ہمیں ایک سوچ دی، ایک دعوت دی۔ ایک طرز حیات دیا، ایک سلیقہ دیا وہ سارا کچھ ہم چھوڑ دیتے ہیں اور اُسی معاشرے کا اس ماحول کا حصہ بن جاتے ہیں جو غیر اسلامی ہے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تکذیب کرتا ہے۔ پھر ہم کیا سمجھتے ہیں وہم پر بنیاد رکھ کر کیا اسلام کی صداقت کسی سے منوائی جاسکتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم محکوم ہیں اور کافر ہم پر مسلط۔

جتنا مسلمان غافل ہے کافر اتنا غافل نہیں ہے۔ کافر ممالک کی پھر کوشش یہی ہے کہ کہیں مسلمان پھر سے عملاً مسلمان نہ بن جائیں نام کا مسلمان رہے نام اس کا دین محمدؐ ہو لیکن کام کالو کھتری جیسے کرے نام اس کا دین محمدؐ ہو لیکن حلیہ اس کا کرزن جیسا ہو۔ نام اس کا دین محمدؐ ہو لیکن لین دین اس کا سارا یہودیانہ فلسفے کے ماتحت ہو صرف نام دین محمدؐ رکھنے سے کیا ہوگا۔ خدا کو کوئی مشکل نہیں ہے کہ آپ کسی کو گوروند سنگھ کہتے رہیں لیکن وہ شخص مومن ہو مخلص ہو تو اس نام سے خدا کی بخشش نہیں روکی جاسکتی۔ اور آپ کسی کا نام اللہ دین رکھ لیں اور وہ مشرک ہو تو اسے آپ دوزخ سے نہیں چھڑا سکتے اس کا نام اُس کو دوزخ سے دور نہیں کرسکے گا۔ یہی واقعہ سناتے کے لیے مسلمان کی غیرت کو چٹکی بھری ہے اللہ العالمین نے۔

یہ آیت کریمہ یوں لگتی ہے جیسی چٹکی بھری ہے اللہ کریم نے مسلمان کی غیرت کو کہاں ہے تیری غیرت تُو تو کافروں جیسا ہوگیا ہے۔ یہ دیکھو حضرت شعیبؑ کیا کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے جیسے بن گئے تو یہ دین اور یہ جو کچھ ہم دعوت الہٰی لے کر اُٹھے ہیں، گویا خدا پر ہم نے سارا جھوٹ باندھا ہے، پھر اپنی طرف سے عجز کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ (وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا) ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کلمہ بھی پڑھیں اور طرز زندگی تمہارے جیسا اپنائیں۔ (إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا) اپنے عجز کا اقرار بھی کرتے ہیں ہاں خدا ہمیں منظور نہ کرے خدا ہمیں اپنی بارگاہ سے دھتکار دے ہم لوگ کمزور ہیں ہم زبردستی نہیں کرسکتے۔ لیکن ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے دروازے کو نہ چھوڑیں۔

جب ہم اپنی قوم کو اپنے آپ کو دیکھتے ہیں تو اکثریت دو طرح کے لوگوں کی نظر آتی ہے یا انہوں نے خود خدا کو چھوڑ دیا ہے یا ایسے بدبخت ہیں کہ خدا نے اُن پر اپنا دروازہ بند کرلیا ہے۔ (وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا) فرماتے ہیں تمام کائنات سے اُس کا علم وسیع تر ہے ہر چیز کو محیط ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ ہمارے ارادے کیا ہیں۔ ہم چاہتے کیا ہیں اور جو خواہش جو طلب کسی کے دل میں پیدا ہوتی ہے اُس کے مطابق اُس کو نتیجہ دیتا ہے وہ جانتا ہے کہ ایک جڑ زیر زمین پھوٹتی ہے تا وہ جانتا ہے یہ آم کی جڑ ہے اسے آم کا تنا آم کے پتے آم کا پھل عطا کرتا ہے جب دل میں ایک چھوٹی سی خواہش پیدا ہوتی ہے اگر وہ دنیا کے لیے ہے تو ہزار داڑھی بڑھا لو آپ تمام مراحل طے کرنے کے بعد

دنیا دار ہی ثابت ہوں گے اور یہاں پیدا ہونے والا خیال اللہ کے لیے ہے اگر تو ہزار دنیا سے گزر کر تم اللہ کے بندے ہی بنو گے فرماتے ہیں۔

(وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا) بہت وسیع علم کا مالک ہے وہی جانتا ہے کہ اِس واسکٹ کے نیچے اِس کھال کے نیچے ان پسلیوں کے نیچے کون سا تخم ہے جیسے تخم ہو گا ویسا درخت لگے گا۔

پھر فرماتے ہیں دُکھ لگتا ہے یار حد ہو گئی، ایک خدا بیزار معاشرہ الوہیت باری کا منکر معاشرہ اِس بات کی حرص رکھتا ہے کہ اللہ کے بندے میرے جیسے ہو جائیں فرماتے ہیں

خدایا اتنی جرأت کفر کی کہ آج ہمیں کافر بنانے پہ حریص ہیں خدا تو ہمارے اور اُن کے درمیان حق کا فیصلہ کر دے بڑا مشکل ہوتا ہے اپنے آپ کو اللہ کے سامنے پیش کرنا۔

حضرت ابن مثنیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایرانیوں کو شکست دے کر شہر میں داخل ہوئے تو شاہی محلات اور عام آبادی کے درمیان دریا بہتا تھا۔ بادشاہ کا محل قصرِ ابیض دوسرے کنارے تھا امراء اور رؤساء جو سلطنت کے تھے اُن کی آبادی شہر کے دوسرے کنارے پر تھی۔ اور شہر دوسرے کنارے پر تھا رات کو مسلمانوں کا قبضہ مکمل ہو گیا تھا۔ شہر پر۔ صبح انہوں نے کہا کہ صبح جمعہ ہے اللہ سے دُعا مانگی اے اللہ قصرِ ابیض کے گنبد پر کھڑا کر کے موذن کی اذان کہلوا دے یہاں ہم نہیں رُکیں گے ہمیں جمعہ وہاں ادا کرنا ہے اور اُس بھاگنے والی فوج میں مورخ لکھتے ہیں کہ جب یزدگرد قصرِ ابیض کو چھوڑ کر بھاگا اس دن تو بیس ہزار صرف باورچی تھے اُس کے ساتھ بھاگنے والوں میں اُس محل میں جو باورچی تھے صرف وہ بیس ہزار تھے پھر باقی نوکروں کا آپ اندازہ کریں، فراش اور وہ لباس بدلوانے والے چوکیدار اور شاہی گارد محل پر مقرر تھے اور وہ لشکر جو میدان سے آیا تھا اس سارے کو ترتیب دے کر یزدگرد نے تمام کشتیاں دریا میں بہا دیں پُل رات کو تڑوا دیا گیا دریا میں طغیانی تھی پانی کناروں سے لپک رہا تھا۔ اُس سارے لشکر کو اُس نے دوسرے کنارے تیر کمانیں دے کر کھڑا کر کے کہہ دیا کہ کوئی شخص دریا میں اُترے تو اُسے تیروں سے پُرو دو۔ اور دریا میں اُترنے کا سوال کب پیدا ہوتا تھا۔ دریا طغیانی پر تھا کشتیاں رات انہوں نے بہا دیں پُل توڑ دیے۔

حضرت حارث بن مثنیٰ کو جب اطلاع ملی تو خود کنارے پر تشریف لائے پورا لشکر جس میں صحابہ بھی موجود تھے اللہ اللہ، کنارے پہ صف بستہ کھڑا کر دیا۔ شتر سوار ہیں، گھوڑ سوار ہیں۔ پیادے ہیں، اسلحہ ہے سامان ہے راشن تک ہے۔ کیا عجیب لوگ تھے مفتوح شہر سے لوٹ کر نہیں کھاتے تھے۔

فاتح لشکر کا راشن اپنے جانوروں پر لدا ہوتا تھا، مالِ غنیمت جمع ہو کر تقسیم ہوا کرتا تھا کوئی کسی کا ایک دانہ چھین نہیں سکتا تھا تو سارا سامان لشکر کا کنارے پر کھڑا کر کے ہاتھ اُٹھاتے ہیں۔ عجیب لوگ تھے قیامت کو جو حساب ہو گا نا میرا اور آپ کا ہو گا یہ ایسے لوگ تھے جو قیامت سے پہلے اُس حساب سے گزر چکے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض صحابہؓ اُٹھیں گے میدان حشر جب بپا ہو گا۔ ابن کثیر نقل فرماتے ہیں اُن کے سینے چھلنی ہوں گے۔ خون کے فوارے اُبل رہے ہوں گے اُن کے لباس پھٹے ہوئے ہوں گے اور چمڑا دھوپ کی تپش سے جلا ہوا ہو گا۔ ان کی زرہ اور اسلحہ اُن کی ڈھالیں تلواریں پاس ہوں گی اور وہ اُٹھیں گے اور بے تابانہ آرام سے چلتے ہوئے جنت کے دروازے پر دستک دیں گے۔ دروازہ کھولو۔ رضوان جو خادم ہے جنت کا نگران ہے عرض کرے گا۔ حضرات آپ جلدی کر رہے ہیں ابھی حشر بپا ہوا ہے لوگوں کو حساب کے لیے جانا ہے حضرت اُس طرف تشریف لے جائیں جہاں حساب ہو گا، فیصلہ ہو گا پھر یہاں تشریف لائیے گا۔ آپ سیدھے یہاں چلے آئے۔

تو حضورؐ نے اس حدیث پاک میں منظر کشی فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔۔۔ وہ ڈھالیں پھینک دیں گے، تلواریں پھینک دیں گے، سینہ چاک ہوں گے، کسی کا بازو کٹا ہے تو کسی کی آنکھ نکلی ہے کسی کا سر کٹا ہے اور کسی کا پیٹ، تو کہیں گے خدایا تو نے ہمیں جان دی جوانی دی قوت دی، مال دیا اولاد دی گھر دیا ہم نے گھر تیرے نبی کے لیے چھوڑ دیا ہم نے بچوں کو تیرے رسول کے قدموں پر نچھاور کیا ہم نے مال چھوڑ دیا جان بچی تھی اس کا حشر دیکھ لے تیری رضا کے لیے ہم نے کیا کیا، اب ہمارے پاس بچا کیا ہے جس کا یہ فرشتے حساب مانگتے ہیں ہم نے دنیا میں بچا کر کیا رکھا تھا۔ جس کا حساب یہ فرشتے مانگ رہے ہیں۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حکم ہو گا رضوان کو کہ جنت کے آٹھوں دروازے کھول کر سامنے سے ہٹ جا یہ ان کی پسند ہے کس دروازے سے داخل ہوں۔ کتنے خوش نصیب لوگ تھے۔

امیر لشکر کھڑا ہے دریا کے کنارے موجیں اٹھا اٹھ کر آتی ہیں اژدہوں کی طرح سارے لشکر کو لیے کھڑا ہے۔ اور دعا مانگتا ہے تاریخ میں لکھے ہوئے ہیں اس کے یہ الفاظ کہتا ہے خدایا اگر میں دنیا کے لیے اپنی انا کی تسکین کے لیے تیری رضا کے علاوہ کسی مقصد کے لیے نکلا ہوں تو مجھے غرق دریا کر دے لیکن اگر میں تیری رضا کے لیے تیرے دین کے لیے تیرے کام کے لیے نکلا ہوں تو دریا بھی تو تیرا ہے اگر تو نہ بچائے تو زمین بھی نگل سکتی ہے۔ اور اگر تو بچانا چاہے تو دریا غرق نہیں کر سکتا۔ اور حکم دے دیا کہ تمام اتر جاؤ دریا میں پیادے بھی شتر سوار بھی، بار برداری والے بھی اور گھوڑوں والے بھی سب اتر جاؤ دریا میں اگر تو ہم دنیا کے لیے نکلے ہیں تو ہمارا غرق دریا ہونا کافی ہے اور اگر ہماری نیت خالص ہے اللہ کے لیے نکلے ہیں یہ دریا کیا ہے اور یہ کافر بادشاہ کیا ہے اتنا لشکر سارا جب بیک وقت اترا تو دریا میں تو دیوار کھڑی ہو گئی اور پانی بے تحاشا کناروں سے بہہ نکلا۔ باہر جو ایرانی کھڑے تھے وہ اس پانی سے بھاگ رہے تھے تاریخ میں لکھا ہے کہتے تھے۔ دیواں آمدند دیواں آمدند کہ یہ انسان نہیں ہیں کوئی مافوق الانسان مخلوق ہے۔ جو آ رہی ہے کہ دریا بھاگ رہا ہے اسے دیکھ دیکھ کر تیر انداز بھاگ گئے، بادشاہ یزدگرد سمیت ساری فوج بھاگ گئی۔ خدا نے قلعہ خالی کرا دیا۔ اس شخص کے لیے جو دریا سے نکلا اور قصر ابیض اس کے لیے خالی ہے۔

دین تو اس استقامت کا نام ہے یہ دین نہیں ہے کہ دنیا کے لیے یا چند ٹکوں کے لیے یا وقتی اقتدار کے لیے یا معمولی سی خواہش نفس اور لذت کے لیے اپنے آپ کو کافروں میں ہی شامل کر لے وہی تہذیب، وہی تمدن، وہی رہن سہن اپنا لے اور زبان سے کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں کیا مسلمان ہے، مسلمانی کا مزہ تو یہ ہے کہ کائنات کو ٹھکرا دے لیکن اسلام پر حرف نہ آنے دے اور ہر دیکھنے والا پہلی نگاہ میں کہہ اٹھے کہ یہ شخص مسلمان ہے۔ ارے ہر سکھ کو دیکھ کر شناخت کر لیتے ہیں کہ یہ شخص سکھ نظر آتا ہے آپ ہندوؤں کی وہ چوٹیاں دیکھ کر اور دھوتی دیکھ کر کہہ اٹھتے ہیں یہ تو ہندو نظر آتا ہے، کہہ اٹھتے ہیں یا نہیں، مسلمان کو بھی تو دیکھ کر کوئی شخص کہہ دے کہ یہ ہیں مسلمان نظر آتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ امتیاز تھا کہ ہزاروں کے مجمع میں ایک صحابی کھڑا نظر آتا تو لوگ کہہ دیتے کہ یہ شخص محمد رسول اللہ کا صحابی ہے۔

یہی بات حضرت شعیبؑ نے کہی اور انہیں اتنا دکھ لگا کافروں کی بات پر۔ کہنے لگا خدایا اتنا دلیر ہے کفر کہ ہمیں بھی اپنے جیسا ہونے کی دعوت دے رہا ہے۔ خدایا تو جانتا ہے ہم کیا چاہتے ہیں تو جانتا ہے یہ کیسے ہیں اب تو ہمارے درمیان فیصلہ کر دے تو وہ جو امراء تھے نا اس قوم کے (قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ ...... الْخٰسِرُوْنَ)
لوگوں کو کہنے لگے شعیب کے ساتھ جاؤ گے تو بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔ ہم تمہارے ساتھ تعلقات ختم کر دیں گے شہر میں نہیں رہنے دیں گے۔ کھانے کو کچھ نہیں ملے گا۔ بچے چھوڑنے پڑیں گے یہ ہو گا وہ ہو گا۔ وہ اپنا رعب جمانے میں تھے کہ اللہ کا فیصلہ وارد ہو گیا۔

وَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ

فرمایا ایک جھٹکے نے سب کا خاتمہ کر دیا۔ (فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ) صبح سیدھا کھڑے ہونے کے قابل نہ رہے اللہ نے ایک جھٹکا دیا زمین کو۔ تو سب صبح تک تباہ ہو چکے تھے۔
(اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا ...... فِيْهَا) ان کے نشان یوں مٹے گویا وہ کبھی یہاں رہتے ہی نہ تھے یہاں کوئی تھا ہی نہیں (اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ) فرمایا نقصان انہیں کو پہنچا جنہوں نے شعیب کی بات نہ مانی۔

حضرت شعیب اللہ کے نبی ہیں، آقائے نامدار محمد رسول اللہ امام الانبیاء ہیں۔ حضرت شعیب میرے اور آپ کے لیے بھی نبی تھے گو ہم پر ان کا اتباع فرض نہیں ہے۔ لیکن ان کی نبوت کے ساتھ ایمان لانا فرض ہے کوئی انکار کرے تو کافر ہو جائے گا۔ لیکن حضور کے امتی تھے آپ نبیوں کے بھی نبی ہیں اور ہمارا شرف یہ ہے کہ ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اگر ہم یہ دعویٰ رکھنے کے باوجود بے دین معاشرے کا جزو بن جائیں تو اندازہ کرو کہاں سے رحمت کے طلب گار ہوں گے کس سے فتح کی دعائیں مانگتے ہو۔ کس بارگاہ سے اپنے لیے عافیت چاہتے ہو۔ اور اس بارگاہ میں ہمارا آپ کا کردار کیا ہے۔ زہر کھانے والا عمر دراز مانگے تو گستاخی ہو گی۔ قانون قدرت کے خلاف کر کے دعا مانگنا بھی گستاخی ہے کہ تم سینے پر رکھ کر گولی کا فائر کرو خدایا مجھے زندگی دے تو اللہ کریم فرماتے ہیں اچھا تو میرے ساتھ مذاق کرنا چاہتا ہے۔ کہ جو چیز ہم نے موت کے لیے بنائی ہے اسے اپنی موت پر اپنی قوت سے استعمال کر رہا ہے اور مجھے کہتا ہے مجھے زندگی دے دے یہ

مذاق کرنا ہے۔ گستاخی ہے جب ہم جزو بننا پسند کرتے ہیں کفر کا، معاشرے میں اور دُعا مانگتے ہیں خدایا ایمان اور ایمان کی سلامتی عطا فرما۔ تو جا کہاں رہا ہے تو اُس معاشرے سے نکلنے کی کوشش کر اور دُعا مانگ خدایا میں اس معاشرے کو چھوڑتا ہوں مجھے دین پہ قائم رہنے کی توفیق عطا فرما پھر تو دُعا کا بھی مزا ہے۔

اور یاد رکھیں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا میرے سامنے فرمایا نبوت اور ولایت میں بڑا فرق ہے ولایت نبی کی جوتیوں کی خاک ہوتی ہے۔ لیکن جیسے کوئی جھوٹا دعویٰ نبوت کا کرے تو وہ جھوٹا ہے ایسے جھوٹا ولایت کا دعویٰ کرے تو جھوٹ میں دونوں برابر ہیں۔ دعوے مختلف ہیں اُس نے نبوت کا کیا اُس نے ولایت کا کیا دعوے مختلف ہیں جھوٹ برابر ہے۔ اور اگر نبی کی دعوت کو ٹھکرایا جائے تو بھی یہ حشر ہوتا ہے اور ولی جو دعوت دیتا ہے وہ خود اُس پر وحی نہیں آتی۔ ولی وہ ہوتا ہے جو نبی کی دعوت کا امین ہو اور اُسے آگے پہنچائے۔

اہل اللہ کے ساتھ فائدہ حاصل کرنے کے لیے اُس دعوت کا اتباع شرط ہے یہ جو ہم نے بنا رکھا ہے نا جو خود دین سے بیزار ہیں انہیں ہم ولی تسلیم کرتے ہیں اور پھر جب ہم اُن کے پاس جاتے ہیں تو بجائے دین لینے کے اپنی دنیا لے جاتے ہیں۔ تو یہ غلط ہے کہ ہم بے دینوں کو ولی سمجھتے ہیں۔

حالانکہ ولایت نام ہے نبوت کی وراثت کا اور نبی کے پیغام کو اپنے اوپر لاگو کرنے کے بعد دوسروں کو بھی دعوت دینے کا۔ اب ایک شخص نماز پڑھتا ہی نہیں ہے تو وہ دوسروں کو نماز کی دعوت کب دے گا۔ جب خود کوئی شخص عمل نہیں کرتا اتباع رسالت نہیں کرتا تو دوسرے کو دعوت کب دے گا۔ تب دے
~~گا جب خود کوئی شخص عمل~~
گا جب خود بھی عامل ہوگا۔ جو شخص خود لباس سے بے نیاز پھر رہا ہو ننگا پھر رہا ہو وہ دوسرے کو نصیحت کرے گا کہ لباس پہنا کرو یہ ٹھیک ہے، جو شخص خود اطاعت پیامبر نہیں کرتا وہ ولی کب ہے۔ پہلی غلطی تو ہم یہ کرتے ہیں کہ ہم نے ہر بدکار کو ولی اللہ سمجھ رکھا ہے دوسری غلطی یہ کرتے ہیں کہ بجائے دین کی امانت لینے کے لیے جو نبی کے طفیل اُس کے پاس ہے ہم اُس سے بھی پھر دنیا کے کام ہی نکلوانا چاہتے ہیں جیسے کوئی جوہری کی دکان پر جائے اور ہیرے نہ خریدے اُس سے مولیوں کا بھاؤ جا کر پوچھا جائے تو جوہری کی دکان پہ اور خریدنا مولیاں اور گاجریں چاہیے۔ ہیرے

بھائی یہ باتیں سوچنے کی ہیں سمجھنے کی ہیں اپنا تجزیہ کرنے کی ہیں۔ اور قرآن کریم کی ایک ایک آیت اِس کی طرف دعوت دیتی ہے خدا کے بندوں کو تلاش کرو اُن بندوں کو جن کے پاس اللہ کے رسول کی سنت موجود ہے اور پھر اُن سے اُس نعمت کو حاصل کرو۔ خدا نے جب یہ دعویٰ کرنے کی توفیق دی ہے اِس دعوے کے مطابق کم از کم اپنے آپ کو تو ڈھال لے۔ مسلمان تو وہ ہے جو جہاں تک جائے وہ اپنے اسلام پر فخر کرے۔

ہمیں اسلام سے شرم آتا ہے اور یہود و نصاریٰ جیسی شکل بنائیں تو ہم کہتے ہیں کہ اب ہم معزز ہو گئے ہیں۔ گھریلو ماحول یا معاشرے میں کسی کو کہہ دو کہ یہ کام سنت کے مطابق ہو شادی یا کسی کی موت کی تقریب ہی سنت کے مطابق کرو تو کہتے ہیں شرع تو ٹھیک ہے لیکن ناک کٹ جائے گی۔ گویا ان کے نزدیک دین بڑا بے آبرو مندانہ کام ہے۔ اور کفر کیا ہے یہی کلمات کفر کرنے کے لیے کافی ہے۔

لوگو! رسومات سے نکلو رسمی تقریروں کو اور رسمی جلسوں کو چھوڑو عمل کرو عمل تھوڑا وقت ہے موت عمل چھڑا دے گی پھر نہیں کر سکیں گے۔ موت آنے تک یہ چند لمحات ہیں ہمارے پاس اپنے آپ کو میدان عمل میں لاؤ اور فوراً شروع کرو تاخیر نہ کرو، کل کرونگا ابھی اسی وقت کرو۔

حافظ عبدالرزاق

قرآن مجید میں حیوانات کا ذکر

قرآن مجید کا مطالعہ کرتے وقت یا اس پر کوئی تحقیقی کام کرتے وقت بنیادی طور پر یہ حقیقت ذہن میں رہنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ آخری کتاب تو سائنس اور فلسفہ کی کتاب ہے نہ فسانہ اور تاریخ کی انسائیکلوپیڈیا ہے بلکہ یہ کتاب ہدایت ہے۔ اس کا کام صرف یہ ہے کہ انسان کو سب سے پہلے اس کا مقصد تخلیق بتائے اور سمجھائے پھر اس مقصد کے حصول کے طریقے، آداب اور سلیقہ سکھائے جس کے لیے قرآن اپنی تعلیمات کو چار شعبوں میں تقسیم کرتا ہے۔ یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق۔ اور اگر اسے اور بھی اختصار سے بیان کرنا ہو تو یوں کہا سکتا ہے کہ قرآن اپنے ماننے والوں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص اس کتاب سے علم نباتات علم حیوانات، علم طبقات الارض، علم طبیعات، علم کیمیا وغیرہ کے مسائل کا حل تلاش کرنا شروع کر دے تو اس کے بغیر کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اس کتاب کی قدر و قیمت کو پہچانا ہی نہیں اور اس کی اس حرکت کو ناقدری یا توہین بھی کہا جا سکتا ہے۔ ہاں قرآن میں جہاں کسی انسانی علم کا ذکر آیا ہے وہ صرف ہدایت کی غرض سے آیا۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم مگر اس کا کیا کیجیے کہ قرآن نے قریباً تمام انسانی علوم کا ذکر ضرور کیا ہے لیکن اشارے کنایہ میں اور کہیں واضح الفاظ میں۔ حیوانات ہی کو لیجیے قرآن میں مختلف عنوانوں سے حیوانات کا ذکر ایک سو سے زیادہ مقامات پر ملتا ہے۔ مثلاً انعام کا لفظ ۳۲ مقامات پر آیا ہے جس کا معنیٰ چار پائے۔ دابۃ اور دواب کا لفظ ۱۸ جگہ آیا جس کے معنی چلنے والا جاندار ہے اور اسی طرح طیر کا لفظ ۱۹ مقام پر آیا ہے۔ بقر اور بقرہ کا لفظ ۹ جگہ آیا، اور بعض حیوانات کے نام لے کر ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً ابل جس کے معنی اونٹ کے ہیں ۲ جگہ، خیل یعنی گھوڑا، ۵ مرتبہ حوت یعنی مچھلی ۵ جگہ علی ھذا القیاس۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر یہ کتاب ہدایت ہے تو اس میں اس کثرت سے حیوانات کا ذکر کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ تو آیئے اس سوال کا جواب تلاش کریں۔

ہدایت یا رہنمائی ایسا مشکل کام ہے کہ اس کے لیے انسانی نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے مختلف موقعوں پر اور مختلف انسانوں کے ساتھ مختلف اسلوب اختیار کر کے بات کرنی پڑتی ہے جو اسلوب مخاطب کی نفسیات کے عین مطابق اس سے مخاطب کے ذہن میں بات پہنچ کر ہی نہیں رہ جاتی بلکہ ذہن سے ہوتی ہوئی دل میں اتر جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ جو انسان کا خالق ہے وہ انسان کی نفسیات کا بھی

خالق ہے اس لیے انسانی نفسیات کو اس سے بہتر اور کوئی نہیں جانتا۔

انسان کو اپنے مقصد تخلیق سے واقف ہونے اور اسے پورا کرنے کا ڈھنگ سیکھنے کے لیے سب سے پہلے اس امر کی ضرورت ہے کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے۔ چنانچہ اللہ کریم نے اس غرض کے لیے کئی مقامات پر حیوانات کا ذکر فرمایا۔

اس بیان میں جہاں اللہ کی قدرت کا بیان ہے وہاں اس کی تخلیق میں تنوع کا بھی بیان ہے مگر اس میں انسان کو اس بات کی بھی ہدایت کی گئی ہے کہ اپنا مقام پہچانے اور اللہ کا شکر ادا کرے۔ کہ اس نے اسے عقل و شعور کی دولت دے کر انسان کی صورت عطا فرمایا ورنہ وہ تو یہ بھی کر سکتا تھا کہ اسے سانپ یا بچھو ہی بنا دیتا۔

یعنی کیا یہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسا عجیب پیدا کیا گیا (۸۸ : ۱۷)

دیکھیے قرآن کی مخاطب اوّل قوم عرب کے باد تھے۔ ان کی نفسیات کے مطابق اونٹ کی تخلیق پر غور کرنے کی دعوت دی گئی۔ آپ بھی ذرا غور کریں عربوں کی معاشرتی زندگی میں اونٹ کی کیا حیثیت ہے سب سے پہلے یہ جانور بہت ہی جسیم ہے پھر اتنے بڑے جسم کے ساتھ اس کی خوراک کا مسئلہ ہاتھی کی طرح کوئی پریشان کن نہیں یہ خار دار جھاڑ جھنکار اور اونچے درختوں کے پتوں سے پیٹ بھر لیتا ہے اور عرب کے ریگستان جہاں یہ جہاز کا کام دیتا ہے۔ وہاں اس کے لیے پانی کا مسئلہ بھی حل کر دیا گیا ہے کہ اس کا پیٹ ایک ٹینک ہے جس کا پانی کا ذخیرہ ریزرو رہتا ہے اور یہ ایک دفعہ پانی پی کر کئی دنوں تک استعمال کرتا رہتا ہے پھر یہ اتنا اونچا ہے کہ اس پر چڑھنے کے لیے زینہ درکار ہے، مگر خالق نے اس کی ٹانگوں میں اتنے اور اس ڈھنگ کے جوڑ بنا دیے کہ اسے بٹھا کر آسانی سے سوار ہو جاؤ۔ پھر اتنا بڑا جانور ہونے کے باوجود ایسا مسکین طبع کہ ایک چھوٹی سی بچی بھی اس کی نکیل پکڑ کر جہاں چاہے لے جائے۔ پھر عرب کے ریگزار میں چلچلاتی دھوپ میں دن کو سفر کرنا کوئی آسان کام نہیں اس لیے خالق نے اس کو رات بھر چلنے کا عادی بنا دیا۔

ایک ان پڑھ بدو بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جس خالق نے میرے آرام کے لیے اتنی بڑی نعمت مجھے عطا فرما دی میرا معاملہ اس سے کیسا ہونا چاہیئے۔

(ترجمہ) اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور ان جانوروں کا جو اس نے ان میں پھیلا رکھے ہیں وہ جب چاہے ان کے جمع کر لینے پر قادر ہے (۴۲ : ۲۹)

یہاں یہ حقیقت بیان فرمائی کہ اس کی خلاقی کا تنوع دیکھو اوپر نگاہ اُٹھاؤ تو اس کی مخلوق میں سے آسمان کی بلندیوں پر نگاہ پہنچتی ہے۔ نیچے دیکھو تو زمین کی پہنائیاں سامنے آتی ہیں اور ان دونوں کو تم بے جان ہی دیکھتے ہو اس کی خلاقی کا تیسرا نمونہ وہ جاندار ہیں جو زمین پر تم دیکھتے ہو اور وہ بھی ہیں جو ایسی بلندیوں پر بستے ہیں، جہاں تمہاری نگاہ چھوڑ تمہارا تصور بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس پھیلاؤ کے ساتھ یہ بھی سمجھ لو کہ اس پھیلاؤ کا خالق اس کے سمٹاؤ پر بھی قادر ہے لہٰذا تمہیں ہرگز بھولنا نہیں چاہیے کہ قیامت آئے گی اللہ کی عدالت میں پیش ہونا ہے اور یہ عقیدۂ آخرت ہی آدمی کو انسان بناتا ہے۔

معرفت باری کے سلسلے میں اللہ کریم کی صفت خالقیت کی معرفت کے بعد اس کی ربوبیت کی معرفت ضروری ہے۔ تاریخ انسانی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے اکثر ربوبیت کے بارے میں ٹھوکر کھائی ہے۔ حضرت یوسفؑ نے قیدیوں کو تبلیغ کرنے کی ابتدا اسی صفت سے کی۔

ہمارے ترجمان حقیقت نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے۔

ے :- اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

اس سلسلے میں انسان کی ہدایت کے لیے قرآن کریم نے حیوانات کے حوالے سے ارشاد فرمایا۔

(ترجمہ) زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا جانور نہیں کہ اللہ کے ذمے اس کا رزق نہ ہو۔ (۱۱ : ۶)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

(ترجمہ) اور کتنے جانور ہیں کہ اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اللہ ہی انہیں رزق دیتا ہے اور تمھیں بھی۔ (۲۹ : ۶۰)

یہ بتایا جا رہا ہے کہ چرند پرند درند بلکہ ہر جاندار کو زندہ رہنے کے لیے غذا کی ضرورت ہی نہیں بلکہ زندگی کا انحصار ہی غذا پر ہے تو خالق نے انہیں پیدا کر کے یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کا رزق اپنے ذمے لے لیا۔ تو جس مخلوق میں نہ عقل ہے نہ شعور اور نہ روزی حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں اس کو روزی ملتی ہے اور دینے والے نے اپنے ذمہ کام لے لیا ہے۔ تو انسان کو

عقل وشعور کے ساتھ اعضاء وجوارح بھی عطا کر دیے تو کیا انسان کو بھوکا مار دے گا۔

اس میں ایک اور نقطہ یہ نظر آتا ہے کہ جو کام اللہ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے انسان اگر اس کی فکر میں گھلتا رہے اور جو کام انسان کے ذمہ ہے اس کی فکر نہ کرے تو وہ اپنے مقصد تخلیق سے ہی غافل ہو گیا اور شرف انسانیت کھو بیٹھا۔

معرفت باری میں تیسری صفت اس کا معبود ہونا ہے۔ اور یہ نتیجہ ہے پہلی دو صفات معرفت کا۔ اس سلسلے میں حیوانات کا ذکر کرنے سے پہلے اللہ کریم نے ایک عمومی اصول بیان فرمایا۔

(ترجمہ) اللہ کی مخلوق میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو۔ (۱۷، ۴۴)

پھر مخلوق میں سے حیوانات کا ذکر فرمایا۔

(ترجمہ) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور پر پھیلائے ہوئے پرندے بھی، اور سب اپنی نماز اور تسبیح کے طریقے سے واقف ہیں۔ (۲۴:۴۱)

جب مخلوق میں ہر چیز ہر جانور حتیٰ کہ پرندے تک اللہ کی تسبیح کرتے ہیں تو انسان جو اشرف المخلوق ہے اللہ کے ذکر سے غافل ہو تو کتنی بڑی بدبختی ہے۔

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ زمین و آسمان کی ساری مخلوق اللہ کو سجدہ کرتی ہے، سورج چاند ستارے پہاڑ درخت اور جانور اور بہت سے انسان بھی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا" (۲۲ : ۱۸)

انسان کو آنکھیں کھول کر دیکھنے اور مشاہدہ فطرت کی دعوت دی گئی ہے اور یہ مشاہدہ دراصل ایک ذریعہ ہے جو مقصد تک پہنچا سکتا ہے۔ یعنی دیکھو کہ ساری مخلوق اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ جمادات، نباتات، حیوانات اور ان کے علاوہ زمین و آسمان کی مخلوق۔ ہاں انسان دو حصوں میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں کچھ وہ جو دوسری مخلوق کی طرح سجدہ ریز ہیں کچھ وہ جو باغی بن کر رہنا پسند کرتے ہیں۔ انسان کے علاوہ دوسری مخلوق میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ سجدہ، اطاعت و فرمانبرداری کی ایک مرئی صورت ہے۔ مگر سجدہ کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کے قانون سے انحراف کرنا۔ یہ سجدہ انسان سمیت ساری مخلوق کر رہی ہے اس میں انسان کی کوئی خصوصیت نہیں جیسا تکوینی امور میں انسان فرمانبردار ہے۔ اسی طرح جمادات اور حیوانات بھی ہیں ہاں انسان کو جو عقل وشعور اور اختیار کی آزادی عطا کی گئی اس کی وجہ سے اس پر سجدہ ریز ہونا یعنی اطاعت کرنا لازم قرار دیا گیا۔ اور جب انسان نے اپنے آزاد اختیار سے یہ سجدہ کرنا پسند نہ کیا۔ تو اس کے لیے عذاب ثابت ہو گا۔ اور اس عذاب کی ابتدا یا پہلی قسط اسی دنیا میں شروع ہو گئی۔ اور ایسا ہونا ضروری تھا کیونکہ اگر ایک مشین کے سب پرزے صحیح سمت میں حرکت کر رہے ہوں۔ مگر ایک پرزہ الٹی سمت حرکت کرنا شروع کرے تو مشین اپنا کام نہیں کر سکتی بلکہ اس میں ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح اس کائنات کی مشین کے سارے پرزے یعنی جمادات، نباتات، حیوانات صحیح اور مقررہ سمت میں حرکت کر رہے ہیں مگر ایک پرزہ یعنی انسان نے مقررہ سمت میں حرکت کرنے کے بجائے الٹی سمت چلنا بلکہ دوڑنا شروع کر دیا تو اس کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑے گا۔ یہ بدامنی یہ لوٹ کھسوٹ یہ چوریاں اور ڈاکے یہ فساد اور دھماکے انسان کو کیوں سکھ کا سانس نہیں لینے دیتے صرف اس لیے کہ انسان نے اس کائنات کی موجد کی ہدایات سے بے نیاز ہو کر من مانی کرنا شروع کر دی۔ لہٰذا انسان ایک تو شرف انسانیت کھو بیٹھا دوسرا امن کو ترس گیا ہے اور اللہ کریم نے ایسے انسانوں کے متعلق اطلاع دے دی کہ" ایسے انسان تو جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

اللہ کریم کی معرفت کا ایک ذریعہ اس کی نعمتوں پر غور و فکر اور ان کا استحضار ہے۔ اس ضمن میں قرآن کریم میں حیوانات کا ذکر مختلف حیثیتوں سے آیا ہے۔

(ترجمہ) بیشک تمہارے لیے مویشیوں میں بھی بڑا سبق ہے ان کے پیٹ میں جو کچھ ہوتا ہے گوبر اور خون کی قسم سے اس کے درمیان سے صاف اور پینے والوں کے لیے خوشگوار دودھ ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں۔ (۱۶ : ۶۶)

آیت میں لفظ عبرۃ استعمال ہوا ہے اور عبرت اس حالت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی دیکھی ہوئی چیز کی وساطت سے ان دیکھے نتائج تک پہنچا جائے۔ اب ان مویشیوں سے عبرت حاصل کرنے کے مختلف پہلو ہیں۔ اول ان جانوروں کی ساخت پھر ان کی افعال کو دیکھو جو ماہرین حیاتیات و حیوانیات پر خوب روشن ہیں ان سے ذہن فوراً ایک صانع اعظم اور حکیم مطلق کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

پھر جو فوائد انسان ان سے حاصل کرتا ہے ان میں سے

ایک فائدہ کا ذکر ہوا کہ تم ان سے لذیذ اور خوشگوار دودھ حاصل کرتے ہو مگر غور کرو یہ کہاں سے آتا ہے ؟ اسی پیٹ سے جس میں گھاس پھوس گوبر اور خون ہوتا ہے۔ بھلا کسی کیمیائی لیبارٹری میں ان اجزاء سے یہ چیز تیار کی جا سکتی ہے۔ یہ اللہ کریم کی صناعی، ربوبیت اور الرحم الراحمینی کا مظہر نہیں تو اور کیا ہے۔

"اور چوپائے بھی اس نے بنائے ان میں تمہارے لیے گرم لباس بھی ہے اور دوسرے فائدے بھی ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو" (۱۶ : ۵)

انسان کی دو بنیادی ضرورتیں غذا اور لباس ہیں اور یہ دونوں ضرورتیں پوری کرنے کے لیے حیوانات ہی کام آتے ہیں۔ پھر انسان کو تمدنی ضروریات کے سلسلے میں نقل و حرکت کے وسائل کی بھی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ اس سے اگلی آیات میں ارشاد ہوتا ہے۔

"اور ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جب تم ان مویشی کو شام کے وقت گھر لاتے ہو اور انہیں صبح کے وقت چرنے کے لیے باہر چھوڑتے ہو اور وہ تمہارے بوجھ بھی تمہارے شہروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ جہاں تم سخت مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ تمہارا پروردگار بے شک بڑا شفقت والا بڑا رحمت والا ہے اور اسی نے پیدا کیے گھوڑے خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور زینت کے لیے بھی" (۱۶، ۸، ۷، ۶)

اسی طرح دوسرے کئی مقامات پر حیوانات کا ذکر اس انداز میں فرمایا کہ یہ سب تمہارے لیے رب کریم نے پیدا کیے ہیں کسی کو غذا کے طور پر استعمال کرتے ہو، کسی پر سواری کرتے ہو کسی پر بوجھ لاد کر ادھر ادھر لے جاتے ہو۔ کسی کو اپنی شان و شوکت اور زینت کے لیے پالتے ہو اور کوئی تمہاری دولت اور سرمایہ کا کام دیتے ہیں پھر ایک مقام پر شہد کی مکھی کا ذکر فرمایا کہ وہ کس طرح طرح طرح کے پھولوں کا رس چوستی ہے اور تمہارے لیے شہد جیسی لذیذ اور مفید شے تیار کرتی ہے۔

ان سب کو تم روزمرّہ اپنے اردگرد دیکھتے ہو۔ اگر کھلی آنکھوں سے دیکھو تو کیا تمہیں کوئی بہانہ مل سکتا ہے کہ کہہ سکو کہ ہم اپنے خالق اور رازق کو کیسے پہچانیں۔

مختصر یہ کہ اللہ کریم نے اپنی اس کتاب میں جو محض کتاب ہدایت ہے حیوانات کا ذکر مختلف انداز میں بہت سے مقامات پر فرمایا جس سے غرض یہ ہے کہ انسان اپنے خالق و رازق کی معرفت حاصل کر کے اس کے ساتھ اطاعت کا تعلق کر کے عبدیت کے مقام ارفع تک پہنچ سکے۔

نبی اکرمؐ بطور قانون ساز

لیاقت علی خان
(ایم اے۔ ایل ایل بی۔ پی ایچ ڈی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے قبل یورپ کی شمالی و مغربی اقوام، افریقہ، ایران، چین، جاپان، روم، شام و عرب غرضیکہ دنیا کے کونے کونے میں لاقانونیت کا دور دورہ تھا۔ ہندوستان میں بت پرستی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ بتوں کی تعداد ۳۳ کروڑ تھی۔ ایران میں مانی کے دور میں ہر رشتے سے نکاح جائز تھا۔ یزدگرد دوم نے اپنی بیٹی سے اور بہرام بادشاہ نے اپنی بہن سے نکاح کر رکھا تھا۔ غلامی کا رواج عام تھا۔ شام میں لوگ قرض ادا نہ کر سکتے تو اپنے بچوں کو فروخت کر دیتے تھے سعودی عرب میں دختر کشی عام تھی، صعصعہ بن ناجیہ نے فدیہ دے کر ۳۰۰ لڑکیوں کی جان بخشی کروائی۔ الغرض ایک عالم گیر فساد بپا تھا۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور انسانیت کی حیات نو اور تعمیر نو کا سبب بنا۔ بقول "لیمر تائن" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسی کتاب کو اساس بنایا جس کا ہر لفظ قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔

دنیا کے سٹیج پر بڑے بڑے مقنن نمودار ہوئے، مثلاً اسکندر اعظم نپولین، اشوکا، بابل کا قانون ساز بادشاہ "حمورابی" زرتشت، کنفیوشس، جان آسٹن، لارڈ کوک، بریکٹن ۔۔۔۔ مگر جو مقام رہنمائے کاروان انسانیت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ملا۔ وہ کسی کو آج تک نصیب نہیں ہوا۔ آپ کی ذات اقدس تاریخیت کاملیت، جامعیت اور عملیت کا نمونہ تھی۔ آپ کے پیغام و دعوت کی عمومیت و آفاقیت امامت کی ابدیت اور تعلیمات کی ہمہ گیریت کی وجہ سے دنیا میں روشنی پھیلی۔ قرآن حکیم ۳۰۰ علوم کا مجموعہ ہے۔ احادیث مبارکہ اور سیرت نبی صلعم فقہ اسلامی کے سرچشمے ہیں۔ قرآن حکیم دو قسم کے قوانین بیان کرتا ہے۔

(۱) طبعی قوانین یعنی قانون فطرت یا قانون قدرت۔

(۲) مدنی قوانین۔

طبعی قوانین میں تو انسان نے بڑی ترقی حاصل کی ہے۔ تسخیر کائنات جیسی مہم جوئیاں ہو رہی ہیں۔ لیکن تمدنی قوانین میں وہ ایک انچ سے بھی آگے نہیں بڑھ سکا۔ خوش پوش جسم سکون سے خالی ہیں۔ عالی شان عمارتیں اجڑے ہوئے دلوں کا مسکن ہیں اور جگمگاتے ہوئے شہر جرائم اور مصائب کا مرکز ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انسانیت کو تمدنی قوانین سے روشناس کرایا اور وضاحت فرمائی۔ آپ صلعم شارح قانون الٰہیہ ہیں۔ مندرجہ ذیل قوانین قابل ذکر ہیں۔

(۱) فوجداری قوانین
(۲) قانون ٹارٹ
(۳) قانون شہادت
(۴) قانون معاہدہ
(۵) انتظامی قوانین
(۶) مالیاتی قوانین
(۷) دستوری قوانین
(۸) بین الاقوامی قوانین
(۹) عائلی قوانین

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کی تشریح فرمائی۔ فوجداری قوانین میں زنا کے لیے غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں ۱۰۰ کوڑے اور شادی شدہ ہونے کی صورت میں رجم کی سزا مقرر کی گئی۔ آپ صلعم نے غامدؔ قبیلے کی عورت کو اقبال جرم کے بعد سنگسار کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ سرقہ، حرابہ (ڈاکہ، رہزنی) قذف، ارتداد،

شراب نوشی اور بغاوت کے بارے میں سزا قرآن حکیم میں بیان کر دی گئی ہے۔ یہ حدود کے مقدمات ہیں۔ علاوہ ازیں لواطت جیسے بھیانک جرم میں بھی سزائے موت کا حکم ہے۔ آپ صلعم نے قصاص اور دیت کی توضیح فرمائی۔

قانون ٹارٹ کی وضاحت آپؐ نے فرمائی۔ اس کے متبادل الفاظ جنایہ، قصاص، ضمان اور تعدی ہیں۔ آپ صلعم نے ۱۴۰۰ سال قبل بنی نوع انسان کے لیے بنیادی حقوق کا تعین کیا۔ آپ نے مظالم عدالتیں مقرر فرمائی۔ جہاں ظلم کے خلاف فریاد سنی جاتی تھی۔ یہ احتساب کا نظام تھا۔ عزت، جان اور مال کی حفاظت کے قوانین مرتب ہوئے۔ نسلی امتیاز کا خاتمہ ہوا۔ غلامی کا خاتمہ ہوا۔ اور خواتین کو ایک اعلیٰ اور ارفع مقام ملا۔

قانون شہادت میں "تزکیۃ الشہود" جیسے نظریات کا اضافہ ہوا۔ تاکہ مجرموں کو زیادہ سے زیادہ گرفت میں لایا جا سکے۔ اور گواہی حاصل کی جا سکے۔ قانون معاہدہ میں سود کو حرام قرار دیا گیا۔ انتظامی قوانین میں افسر شاہی کے احتساب کے لیے یہ ایک حدیث مبارکہ ہی کافی ہے کہ "الراشی والمرتشی فی النار" (کہ رشوت دینے والا اور لینے والا جہنمی ہیں) ایک اور حدیث پاک کہ ایک فلس رشوت (ایک پیسہ رشوت)۔ ۷۰ قبول نمازوں کو ضائع کر دیتی ہے۔ مالیاتی قوانین زکوٰۃ، خراج، جزیہ، عشر، خمس، مال غنیمت، رکاز (دفینہ) وقف لاوارث ترکوں کے بارے میں تفصیل بیان کرتے ہیں۔ حکومت اگر چاہے تو ہنگامی حالات میں ٹیکس بھی لگا سکتی ہے۔ جنہیں ضرائب کہا جاتا ہے۔

دستوری قوانین میں انسانوں کے بنیادی حقوق کو تحفظ دیا گیا ہے اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد قانون الٰہیہ کا نفاذ ہے۔ یہ نظام شوریٰ ہے۔ جہاں تک بین الاقوامی قوانین کا تعلق ہے۔ جدید بین الاقوامی قانون نے ۱۹۵۶ء میں جنم لیا۔ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں دنیا کا پہلا دستور تیار فرمایا جو "دستور مدینہ" کے نام سے موسوم ہوا۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سب دشمنوں کو معاف کر دیا، ماسوائے ۱۱ کے جو کہ اسلام کے بدترین دشمن تھے اتنی شفقت کسی اور ہستی سے متوقع نہیں۔ اس کے مقابلے میں جنگ عظیم اول میں ۳، لاکھ ۳۰ ہزار اور جنگ عظیم دوم میں ۴ کروڑ انسانوں کو قتل کیا گیا۔ بین الاقوامی قانون میں جنگی قیدیوں کے بارے میں پہلا ضابطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عطا فرمایا۔ بوڑھوں، بیماروں، عورتوں، بچوں کو تحفظ دیا گیا۔ جبکہ جنگی قیدیوں کے بارے میں دور جدید میں قوانین پہلی دفعہ جنیوا کنونشن ۱۸۶۴ء، ۱۹۰۶ء، ۱۹۲۹ء، ۱۹۴۹ء اور بالآخر ۱۹۵۷ء کے ذریعے تشکیل پائے۔

عائلی قوانین کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خواتین کے تقدس کو بحال کیا۔ تعدد ازدواج کے ذریعے، حق مہر کے ذریعے، قانون وراثت کے ذریعے عائلی زندگی کو استوار فرمایا۔

اہل مغرب کے ہاں اخلاقی بے راہ روی اور لاقانونیت دین سے دوری کی وجہ سے ہے۔ اقوام متحدہ کے ڈیموگرافک سالنامہ ۱۹۵۹ء کے مطابق "حرامی بچوں کے اعداد و شمار" ملاحظہ ہوں۔

مغربی ممالک :۔ ۶۰ فیصد
پانامہ وغیرہ :۔ ۷۰ فیصد
لاطینی امریکہ :۔ اس سے بھی زیادہ۔
مسلم ممالک :۔ تناسب نفی کے برابر۔
مصر :۔ ایک فیصد سے بھی کم۔

اقوام متحدہ کے جواب کے مطابق اسلام کا قانون تعدد زوجیت کی وجہ سے حرامی بچوں کی نسبت نہ ہونے کے برابر ہے۔

برطانیہ میں جرائم کمسنی ملاحظہ ہوں۔

مجسٹریٹ کی عدالتیں : ۱۹۸۲ء
۲۱ لاکھ ۱۲ ہزار تین سو چھبیس۔
۱۹۸۳ء
۲۳ لاکھ دو ہزار آٹھ سو گیارہ۔

امریکہ میں بیکسٹن کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۳۰ء سے لیکر ۱۹۸۲ء تک صرف ۳۸۶۶ کو سزائے موت دی گئی۔ جس کی وجہ سے جرائم خوب بڑھے۔ مثلاً (۱۹۸۶ء کے اعداد و شمار)

قتل :۔ ۸ لاکھ ۶۰ ہزار
زنا بالجبر :۔ ۳۷ لاکھ ۵۰ ہزار

جبکہ ۲۰ سالوں میں سعودی عرب میں صرف ۱۰ افراد کے ہاتھ کٹے گئے۔ وزارۃ العدل سعودی کی رپورٹ ۱۴۰۳ ہجری (۱۹۸۳ء) کے اعداد و شمار ملاحظہ ہوں۔

کل مقدمات دیوانی و متفرق :۔ ۲۳۹۳
فوجداری :۔ ۵۸۳

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فقہ اسلامی جرائم کی روک تھام میں کس قدر مؤثر ہے۔ نظریہ پاکستان کی بنیاد اسلام پر ہے لہٰذا فقہ اسلامی کا نفاذ ناگزیر ہے۔

اویس المصطفیٰ

اِرتکازِ توجّہ، مراقبہ اور نماز

یہ ایک قانونِ فطرت ہے کہ جب تک ہماری سوچ کا دھارا پوری شدت اور صلاحیت کے ساتھ ایک نقطے پر مرکوز نہ ہو جائے اور ہماری فکر کسی ایک جگہ قائم نہ ہو جائے، ہم اس نقطے اور اُس کے پس منظر کے صحیح مفہوم اور معنویت کو نہیں سمجھ سکتے۔ دماغ میں انتشار برپا ہو تو کوئی بھی کام نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتا۔ کسی چیز کو پہچاننے کا طریقہ کار یہی ہے کہ آدمی اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائے اور اس درجہ متوجہ ہو کر اپنے آپ کو اس کی معنویت میں گم کر دے۔ ایسا کرنے سے اُس شے اور ہمارے درمیان ایک نادیدہ سا ربط پیدا ہو جاتا ہے اور ہمیں اُس شے اور اُس کے پس منظر سے آگاہی حاصل ہونا شروع ہو جاتی ہے!

جب کہتے ہیں کہ خالقِ کائنات کا قُرب حاصل کرو تو اُس کے لیے پہلا مرحلہ یہی آتا ہے کہ پہلے اپنے خالق کو پہچانو اور اس پہچان کے لیے اپنی توجہ کو خالقِ کائنات کی طرف مبذول کرنا ہوگا، پوری شدت کے ساتھ تصوف ہمیں ایسے طریقوں کی تعلیم دیتا ہے جو قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے معاون و مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

آج کے سائنسی دور نے جہاں انسان کو بہت سی سہولیات مہیا کی ہیں، وہیں بے چینی، بے اطمینانی اور پریشان حالی جیسی سوغاتیں بھی بخشی ہیں۔

مادیت پرستی کے اس دور میں سکون کے چند لمحات حاصل کرنا بھی بے حد مشکل ہو گیا ہے۔ ان پریشانیوں کے حل کے لیے ماہرینِ نفسیات آگے بڑھے، تحقیق کی اور کچھ ایسے طریقے بتائے جن پر بقول اُن کے، عملدرآمد کرنے سے ذہنی پریشانیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ بس! پھر کیا تھا، سکون کے متلاشی ان طریقوں کی طرف دیوانہ وار دوڑے، کسی نے شمع بینی شروع کر دی، کوئی ماہ بینی میں مصروف ہو گئے، کچھ کی تسلّی بلور بینی اور نقطہ بینی سے ہوتی، مراقبہ ہال بنائے گئے اور ان میں ہفتہ وار مراقبے کی کلاسیز لگنا شروع ہو گئیں۔ مگر اس ساری بھاگ دوڑ میں کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے مذہب کو بھی بروئے کار لایا جائے۔ بلا شبہ نفسیاتی نقطہ نگاہ سے ان مشقوں کے فوائد سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر چونکہ ان کا مذہبی پس منظر کچھ نہیں ہے اس لیے یہ اندیشہ بہرحال موجود رہتا ہے کہ ان مشقوں کے مابعد اثرات آدمی کو گمراہی کے راستے پر لے جائیں کیونکہ ان مشقوں میں جب ارتکازِ توجہ اور یکسوئی قائم ہوتی ہے۔ تو انسان کا لاشعور جاگتا ہے اور لاشعور ایک سرکش گھوڑے کی مانند ہے نہ جانے کس طرف لے جائے کیونکہ نہ اس پر کوئی مذہبی قیود ہوں گی اور نہ ہی یہ مشقیں کرنے والا اپنے آپ پر کنٹرول کر سکے گا۔ جس کے نتیجے میں ایسی مشقیں کرنے والے لوگ عموماً جنسی بے

راہروی، چڑچڑاپن، قنوطیت اور التباس نظر کا شکار ہو جاتے ہیں۔

کچھ لوگ ذہنی سکون کے حصول کے لیے مختلف قسم کے مراقبے کرتے ہیں، مراقبے کے بھی اپنے فوائد ہیں مگر بات پھر وہیں آ جاتی ہے کہ اس کا مذہبی پس منظر ضرور ہونا چاہیئے، ورنہ یہ مراقبہ محض خود ساختہ تخیلات اور تصورات کا تماشا ہوگا۔ ایسے مراقبے کسی روحانی مقام و حیثیت تک پہنچانے کی اہلیت نہیں رکھتے بلکہ بعض اوقات یہ معکوس نتائج دیتے ہیں اور لاشعور میں اَن دیکھی اور انجانی اشیاء کا خوف پیدا کر دیتے ہیں جس کے بعد انسان مالیخولیا کا شکار ہو سکتا ہے۔

اس کے مقابلے میں اسلام کے انتہائی بنیادی رکن "نماز" کو لیجیئے ایک مثالی نماز اپنے اندر ارتکازِ توجہ کی خصوصیات بھی رکھتی ہے اور مراقبے کی کیفیات بھی اس میں موجود ہوتی ہیں۔ نیّت باندھتے وقت آپ پورے ماحول سے کٹ کر اپنے دل و دماغ کو ایک ہی نقطے پر مرکوز کر دیتے ہیں، کہ جیسے آپ خدا کو دیکھ رہے ہیں، یا خدا آپ کو دیکھ رہا ہے آپ کا جسم بھی دل و دماغ کا ساتھ دیتے ہوئے ساکن اور ایک ہی نقطے پر مرکوز ہے اس کے بعد الفاظ کی ادائیگی شروع ہوتی ہے، زبان ادا کر رہی ہے، ذہن اُن کے معانی پر غور کر رہا ہے اور دل ان الفاظ کا مفہوم اور کیفیت اپنے اندر سمیٹ رہا ہے! گویا پوری توجہ خالقِ کائنات کی طرف ہے اور ارتکازِ توجہ کی مشق پوری ہو رہی ہے۔ اور پھر یہ ارتکازِ توجہ اُس ہستی کی طرف ہے جو اس محنت کے نتیجے میں آپ کو اپنی رحمت اور کرم سے مالا مال کر دے گی!

اب ذرا رکوع و سجود کی طرف توجہ کیجئے۔ ان پوزیشنوں میں دماغ پر کششِ ثقل کی گرفت کم سے کم ہوتی ہے اور اس Gravity سے آزاد ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ انسان زمان و مکان کی پابندیوں سے آزاد ہو گیا اور روحانیت غالب آ گئی۔ حدیث شریف میں ہے کہ سجدے کی حالت میں بندہ خدا کے قریب ترین ہوتا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ سجدے کی حالت میں روحانی حواس غالب ہوتے ہیں اور زمان و مکان کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جو مراقبے کی حالت میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو ذرا سجدے کو طول دے کر دیکھیں، پھر اندازہ ہوگا کہ اُس وقت روحانیت کا غلبہ کس قدر ہوتا ہے۔ اس حالت میں خون دماغ کی طرف دوڑتا ہے جس سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے یہی وہ وقت ہے کہ آپ سوچیں کہ آپ کس ہستی کے سامنے سجدہ ریز ہیں، اور کس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں آپ اُس خالق کے حضور جھکے ہوئے ہیں جو آپ کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔ کیا عظمت ہے ایسے سجدے کی۔

سہ یہ ایک سجدہ جسے تُو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

سجدے میں پیدا شدہ ارتکاز آپ کو ایک نئی کیفیت اور سُرور سے آشنا کرے گا۔ غالباً اب تک کی تمام نفسیاتی تحقیقات ارتکازِ توجہ اور مراقبے کی اس سے بہتر صورت دریافت نہیں کر سکیں جو نماز کی شکل میں خالقِ کائنات نے ہمیں عنایت فرمائی اور اسی ارتکازِ توجہ کا دوسرا نام خشوع و خضوع ہے۔ اس کے علاوہ تصوف میں ذکرِ الٰہی اور مراقبات کی جو صورتیں مروّج ہیں، ان کا ایک مقصد ہے اور وہ ہے "قربِ الٰہی" اگر آدمی نے ارتکازِ توجہ یا مراقبے کی مشقیں کرنا ہی ہیں تو کیوں نہ اسلام کی تجویز کردہ مشقوں کو اختیار کیا جائے جو ہیں گارنٹی کے ساتھ مثبت نتائج کی پیش کش کرتی ہیں، اور دنیا کے ساتھ ساتھ اخروی حیات کو سنوارنے کا ذریعہ بھی بنتی ہیں۔

اکل حلال کا اہتمام اور صحبتِ بد سے احتراز کے بعد کرنے کا کام یہ ہے کہ پوری یکسوئی سے نہایت پابندی سے ذکرِ الٰہی کریں۔ پوری قوت سے، تیزی سے سانس کے ذریعے ذکر کریں۔ اس قوت اور تیزی سے دو اثر مرتب ہوتے ہیں۔ اوّل توجہ ایک مقصد پر مرکوز رہتی ہے۔ دوم خون میں خاص گرمی پیدا ہوتی ہے۔ جو اخذِ فیضان کے لیے اور جذبِ انوارات کیلئے ضروری ہے۔ اگر یہ گرمی پیدا نہ ہو تو شیخ کی توجہ سے انوارات آتے تو ہیں مگر طالب کے قلب میں جذب نہیں ہو جاتے۔ جب تک انوارات میں جذب نہ ہو منازلِ سلوک طے نہیں ہو سکتیں۔ ہاں ذکرِ الٰہی کا ثواب ہوتا رہتا ہے۔ محض ثواب ملنا اور بات ہے۔ اور منازلِ قرب کی طرف بڑھنا اور بات ہے۔

(حضرت مولانا محمد اکرم)

پیار دا واسطہ ای

محمد مشتاق انجم

مولا کرم کر دے ساڈے حال اُتے تینوں اپنے یار دا واسطہ ای
دین دُنی دیاں مشکلاں حل کر دے مصطفیٰؐ دے پیار دا واسطہ ای

ابوبکر صدیق رفیق سوہنا اُوس جانثار دا واسطہ ای
تنگ دستیاں دور فرما مولا تینوں یار دے یار دا واسطہ ای

ذکر کرن دی دیہہ توفیق سانوں حسن بصری سرکار دا واسطہ ای
دل حق تے جین دا دس مولا تینوں اُوہدے کردار دا واسطہ ای

صبر شکر دی دیہہ توفیق ربا داؤد طائی دلدار دا واسطہ ای
ریاکاری ضرورتوں دور رکھیں تینوں اُوہدے وقار دا واسطہ ای

جتھے وسدا پیا جنیدؒ سوہنا اوس سوہنے مزار دا واسطہ ای
دیہہ رزق حلال توں سب تائیں تینوں اوس دے پیار دا واسطہ ای

جیہڑے کم چہ ہووے رضا تیری اوس کم تے کار دا واسطہ ای
مولا بخش دے سب گناہ ساڈے عبیداللہ احرار دا واسطہ ای

عشق جامیؒ دا کر عطا سانوں تینوں جامیؒ دے پیار دا واسطہ ای
چاندا وچ کجاوے دے لک جیہڑا تینوں اوس سوار دا واسطہ ای

ڈُبا عشق حقیقی دے بحر اندر تینوں اوس محبوب دا واسطہ ای
روضۂ اطہر دکھا دے یا مولا حضرت ابوایوبؓ دا واسطہ ای

بے دیناں نوں دیہہ ہدایت ربا اللہ دینؒ سلطان دا واسطہ ای
فتح دیہہ اسلام نوں ہر پاسے تینوں تیرے قرآن دا واسطہ ای

سانوں راہ سلوک تے قائم رکھیں حضرت عبدالرحیمؒ دا واسطہ ای
شرم رکھ لئیں حشر نوں یا مولا تینوں نبی کریمؐ دا واسطہ ای

کریں خاتمہ ساڈا ایمان اُتے اللہ یارؒ سرکار دا واسطہ ای
سدا ہسنہ وسنے جتھے رحمتاں دا تینوں اوس دربار دا واسطہ ای

محمد اکرم اعوان دلدار سوہنا ایس جگ دے پیر دا واسطہ ای
مولا بخش دے ہر خطا ساڈی تینوں تیرے فقیر دا واسطہ ای

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے

عبدالغفار ملک

ہر انسان کی ایک خواہش ہوتی ہے اور اسی کی تکمیل میں عمر بسر کر دیتا ہے۔ ہر فرقہ ہر مذہب اور ہر ملک کے آدمی کی خواہشات علیحدہ ہوتی ہیں۔ مگر مسلمان کی ایک خواہش بالکل الگ ہے۔ وہ ہے دیدارِ کعبہ اور روضہ اطہر کی حاضری، ہر مسلمان اس کے لیے بے تاب رہتا ہے میرے دل میں بھی یہی خواہش موجزن رہتی تھی، ہر نماز کے بعد دُعا کرنا اور ہر مکّہ جانے والے ہر ساتھی سے عرض کرتا کہ میرے لیے بھی دُعا کرنا خدا وند مجھے بھی یہ سعادت نصیب فرمائے۔

رمضان المبارک کا دوسرا عشرہ شروع ہو چکا تھا۔ سکول میں فارغ وقت بیٹھا تھا کہ ایک دوست ملنے آیا اور کہنے لگا آپ اس دفعہ حج پر جا رہے ہیں مجھے سُن کر کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ مجھ جیسا گنہگار اور پھر زادِ سفر پاس نہیں کیسے درِ کعبہ تک پہنچ سکتا ہے۔ مگر شاید اُدھر بارگاہِ عالی میں فیصلہ میرے حق میں ہو چکا تھا جو میری سمجھ اور ادراک کی پہنچ سے باہر تھا۔ رمضان المبارک کی ۲۶ تاریخ تھی کہ میں بعد از ادائے نمازِ عصر دارالعرفان میں بیٹھا تھا کہ ایک بزرگ بھائی نے پاس بلا کر فرمایا کہ اس مضمون کی ایک درخواست لکھ کر مجھے دے دو درخواست کا نفس مضمون سُن کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی فوراً کاغذ قلم لیا اور درخواست لکھنے لگا۔ فرطِ مسرت سے دست لرزاں اور آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا رواں تھے، مگر میں نے تعمیل حکم میں سینہ کاغذ پر وہی حروف ثبت کر دیے اور درخواست ان کے حوالے کر دی۔

وقت اپنی رفتار سے چل رہا تھا دن رات آ جا رہے تھے۔ میری آنکھیں انتظار میں ہمہ وقت لگی تھیں کہ کب کوئی بلاوا آ جائے اب دل مان چکا تھا کہ حاضری کا وقت نزدیک ہے گیارہ جون ۱۹۸۸ء کی صبح بیٹھا تلاوتِ کلام پاک کر رہا تھا کہ فائل میرے حوالے کی گئی۔ جس میں ایک درخواست فارم تھا اور اُس کے ساتھ ایک چھوٹی چِٹ تھی جس میں لکھا تھا کہ ۱۶ جون تک اتنی رقم جمع کروا کے فارم درخواست مکمل کر کے وزارتِ حج کو پہنچا دو۔ بس گیا تھا خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ بس دیکھتے ہی دیکھتے زادِ سفر کا بندوبست غیب سے ہو گیا۔ دل میں خیال آیا کہ بھی لوگ حج کو جا

رہے ہیں اور تم بلائے گئے ہو۔ اپنی خوش بختی پہ نازاں تھا۔ دیدارِ کعبہ کا شوق دل میں سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ دن گن گن کر گزر رہے تھے۔ انتظار کی گھڑیاں طوالت کی بجائے اختصار اختیار کر چکی تھیں۔ اور پھر وہ دن بھی آ پہنچا کہ جس نے فراق کو وصال کی گھڑی میں بدل دیا۔ اور وہ تھا ۳ جولائی ۱۹۸۸ء کا دن مجھے ایک کارڈ دیا گیا جس پہ لکھا تھا حج مبارک ہو۔

۱۴ جولائی ۱۹۸۸ء کو صبح آٹھ بجے پاک سرزمین سے بخانۂ میزبان چلے جانے کی نوید بھی تھی۔ اپنے آپ پر نظر کرتا تو مالک کے انتخاب پر حیران ہوتا کہ کس طرح مجھ عاصی کو اتنے انعامات سے نوازا گیا ہے۔ انہی خیالات اور سفر کی تیاری میں دن بسر ہو گئے حتیٰ کہ ۱۳ جولائی میں دن کے گیارہ بجے کے قریب جیپ پر سوار غازمِ سفرِ حج تھا۔ راولپنڈی پہنچا تو خوب بارش ہو رہی تھی۔ رات حاجی کیمپ میں بسر کی تمام رات آنکھوں سے نیند غائب رہی۔ صبح ہوئی تو بھی بارش اپنے شباب پر تھی۔ موسلا دھار بارش میں ہی مجھے پی آئی اے کی بس کیمپ سے ہوائی مستقر پر لے کر پہنچ گئی۔ ہوائی اڈہ کے عملہ نے ضروری کارروائی کے بعد فارغ کیا تو وہاں پر بنائی گئی مسجد میں جا کر وضو کیا اور احرام باندھ لیا۔ نفل ادا کیے، تلبیہ پڑھی اور اپنے میزبان کے گھر پہنچنے کے لیے مکمل تیار ہو گیا بیٹھا ہی تھا کہ ایک لڑکا چائے لے کر آ گیا۔ اتنی خوشی تھی کہ چاء بھی حلق سے اترنے کا نام نہیں لے رہی تھی، بمشکل تمام چاء ختم کی اور جہاز کی روانگی کے انتظار میں بیٹھ کر تلبیہ پڑھ رہا تھا۔ بارش تھم چکی تھی نظر بس سامنے دیوار پہ آویزاں گھڑی پر جمی ہوئی تھیں۔

جونہی گھڑی نے ساڑھے سات بجے کا اعلان کیا تو مسافروں کو جہاز کی طرف چلنے کو کہہ دیا گیا قطار بن گئی اور لوگ اندر جانے لگے میں بھی چند منٹ قطار میں کھڑا ہوا کہ اندر جانے کی باری آ گئی۔ اندر داخل ہوا تو بس تیار کھڑی تھی۔ اس میں کھڑا ہونے کی جگہ مل سکی۔ چند سکنڈ بعد جہاز کی سیڑھی تک پہنچ چکا تھا۔ مسافر جہاز میں سوار ہو رہے تھے۔ میں بھی سیڑھی عبور کر کے جہاز میں داخل ہوا تو عملہ کے ایک رکن نے میرے ہاتھ میں کارڈ دیکھ کر فوراً سیٹ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ آپ کی سیٹ ہے، سیٹ پر بیٹھ ہی چکا تھا کہ اعلان ہوا اپنی اپنی پیٹی باندھ لیں اور ساتھ ہی جہاز کے انجن سٹارٹ ہو چکے تھے۔

ٹھیک آٹھ بجے جہاز پاک سرزمین کو چھوڑ کر فضا میں بلند ہو چکا تھا۔ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کی صدا سے جہاز گونج رہا تھا۔ آہستہ آہستہ پاکستان کی فضائی حدود بھی سمٹ رہی تھیں۔ گھنٹہ بھر بعد اعلان ہوا کہ جہاز مزید آدھ گھنٹے میں پاکستان کی سرحد عبور کر جائے گا۔

جہاز میں بیٹھے بھی وہی تمنا دل میں مچل رہی تھی۔ آہستہ آہستہ دیارِ عرب نزدیک ہو رہا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ جہاز بیت اللہ کی سرزمین کے نزدیک تر ہو رہا تھا کہ ٹھیک پاکستان کے وقت کے مطابق ۱۲.۲۰ بجے وہاں کے ۱۰.۲۰ بجے جہاز جدّہ کے ہوائی اڈہ پر اتر چکا تھا۔ دورانِ سفر جہاز کے عملہ کا تعاون اور خلوص قابلِ ستائش تھا۔ جدہ کے ہوائی اڈہ پر پاکستانی ملازمین کا حجاج کے ساتھ خدمت اور محبت محوِ حیرت کیے دیتی ہے۔ اور سوچ رہا تھا مالک نے اپنے مہمانوں کی مدارت کے لیے کیسا انتظام کر رکھا ہے۔ جدّہ کے ہوائی اڈہ پر چیکنگ وغیرہ کے کام میں کافی وقت صرف ہوا وہاں سے فراغت پا کر جب بس میں سوار ہوا تو دن کے ساڑھے چار بج رہے تھے بس سڑک پر خراٹے بھرتی جا رہی تھی دل ہی دل میں اپنی قسمت پر نازاں تلبیہ پڑھنے میں مصروف تھا۔ حتیٰ کہ ساڑھے سات بجے کے قریب بس مکہ کی سڑکوں پر رواں تھی۔ لوگوں کو اپنی اپنی منزل پر اتار رہی تھی۔ رات کے ۱۲ بج چکے تھے۔ اور ہم چند آدمی بس میں بیٹھے پریشان تھے کہ کب ہمیں اپنے میزبان کے دروازے پر حاضری نصیب ہوتی ہے مگر قدرت ابھی کچھ امتحان لے رہی تھی اور عموماً عشاق کو یہ مراحل طے کر کے ہی منزلِ وصال ملتی ہے ہم چند آدمی ایسے تھے جنہیں پاکستان سے کوئی معلم الاٹ ہی نہیں ہوا تھا۔ اور کوئی معلم لینے کو تیار نہ تھا جس معلم کی بس مکہ لائی تھی اس کی جیپ ہمیں اٹھائے مکہ کی سڑکوں پر لیے پھر رہی تھی۔ کئی مرتبہ حرم کے سامنے سے گزری جب حرم کی عمارت پر نگاہ پڑتی دل اچھلنے لگتا آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور زبان کہہ اٹھتی کہ کیا خطا تھی جس کی پاداش میں ہجر کی گھڑیاں طول پکڑ رہی تھیں دعائیں مانگ رہے تھے چند آدمی حسرتِ دیدارِ کعبہ لیے مکہ کی گلیوں اور سڑکوں پر چل رہے تھے رات کے اڑھائی بجے ہمیں ایک عمارت کے سامنے اتار دیا گیا۔ اور حکم ہوا یہ ہے آپ کا مستقر.......

ہم نے عمارت کے بڑے دروازے سے سامان اندر پھینکا اور حرم کی طرف دوڑ پڑے احرام باندھے ہوئے جب بابِ ملک عبدالعزیز سے داخل ہو کر کچھ قدم ہی چلا تھا کہ تصورات اور تصویرات میں دیکھی ہوئی

عمارت آنکھوں کے سامنے جلوہ گر تھی، طور پر موسیٰ علیہ السلام کو لن ترانی کہنے والے کے انوارات کی بارش ہو رہی تھی، ہر سو سرخیٔ انوار کا دور دورہ تھا، میں بھی انہیں انوارات میں محو اُس کے گھر کے گرد چکر لگا رہا تھا ابھی اتنی بھیڑ بھی نہ تھی، انہی چکروں میں گم تھا کہ مؤذن نے صدائے اللہ اکبر بلند کی تو اُس کی بڑائی آنکھوں کے سامنے تھی مارے شرم کے گردن جھکی ہوئی تھی آنکھوں سے ساون کی جھڑی لگی تھی کبھی اپنی خطاؤں پر نظر اور کبھی اس کے گھر پر تو اس کی نوازشات کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

طواف پورا کیا نفل ادا کیے زم زم پیا۔ اور سعی کے لیے صفا پر پہنچ گیا۔ سعی شروع کی ساتھ ہی خیال کیا تو لق و دق صحرا چٹیل پہاڑ جن کے درمیان انوارات نبوت کی روشنی کچھ عجیب سماں پیش کر رہی تھی۔ میں بھی صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ رہا تھا اور قدرتِ خداوندی اپنی کرم نوازیاں نچھاور کر رہی تھی مخلوقِ خدا سرگرداں بے خود اور دیوانہ وار چل رہی تھی۔ کیا ہی عجیب نظارہ تھا جو نوکِ قلم سینۂ کاغذ پر چسپاں کرنے سے عاجز ہے۔ انعامات لٹائے جا رہے ہیں، برکات تقسیم ہو رہی ہیں ہر کس بہ ہمتِ او حاصل کر رہا ہے۔

کیا یہ بات حیران کن نہیں کہ مجھ جیسا گنہگار بھی جب اپنی پیشانی مسجد الحرام کے فرش پر رکھ کر سبحان ربی الاعلیٰ کہتا ہے اور ایک رکعت ادا کرتا ہے تو اُسے ایک لاکھ کا انعام ملتا ہے جس نے پانچ نمازیں پوری کیں اُسے پانچ لاکھ کا ثواب حاصل ہو گیا، ہمہ وقت عنایات کی تقسیم جاری ہے۔ کسی کا ایک نگاہِ شوق اس کے ساتھ ٹکرائی تو وہ بھی بیس نیکیوں کا مستحق ہو گیا۔ حج نزدیک آ رہا ہے۔ مسجد حرام میں انسانوں کا سمندر نظر آتا ہے، بیت اللہ جھوم رہا ہے ہر سو طواف والے چکر لگاتے پھرتے ہیں مطاف بھرا ہوا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ زمین مطاف حرکت کر رہی ہے اور یہ سب انسان اُس پر کھڑے ہیں مکّہ کے بازار، سڑکیں، گلیاں، انسانوں سے بھری نظر آتی ہیں۔

آٹھ ذوالحجہ کا سورج طلوع ہوا تو ہر سمت ایک ہی لباس میں ملبوس انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا، ہر طرف صدائے اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ آ رہی تھی۔ میں بھی احرام باندھ کر منیٰ جانے کے لیے نکلا اور ارادہ تھا کہ اس راستے پر جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم اطہر لگے ہیں ذرا میں بھی تو اُن راستوں کا نظارہ کر لوں مگر جونہی گھر سے نکلا ایک گاڑی آموجود ہوئی۔ مجھے بٹھایا اور عازم منیٰ ہو گئی۔ کیا ہی شرف میزبانی ہے، مہمان کی خاطر و مدارت کن کن اداؤں سے ہو رہی ہے

منیٰ پہنچ کر خیمہ میں قیام کیا، تھوڑی دیر بعد اعلان ہوا کہ نمازِ جمعہ یہاں پر ادا کی جائے گی، اُٹھا وضو کیا اور دو تین خیمے چھوڑ کر اگلے خیمہ میں حاجیوں نے مسجد بنا رکھی تھی، وہاں نمازِ جمعہ ادا کی۔ پوری وادیٔ منیٰ منور تھی جدھر بھی ذرا خیال کیا انوارات کی بارش نظر آئی، اگلی صبح تک منیٰ کی پانچ نمازیں پوری ہوئیں۔ دوسرے دن جسے یومِ عرفہ کہا جاتا ہے جب دھوپ نے جبل ثبیر کی چوٹی روشن کی تو میں بھی عرفات کی طرف چل پڑا۔ وہی راستے جو آج سے چودہ صدیاں قبل خم دار تھے سعودی حکومت نے خطِ مستقیم میں بدل کر پختہ سڑک بنا دی ہے۔ مگر اس کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قدموں کے آثار خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کے سفر کے انوارات اُس وادی میں پرانے راستے کی نشاندہی کر رہے تھے۔ ۹ بج چکے تھے کہ میں میدانِ عرفات میں داخل ہوا ہر سمت خیموں پر ہی نگاہ پڑتی تھی، ہر معلم کی گاڑی حجاج کو لے کر اپنے کیمپ میں پہنچ چکی تھی مجھے بھی معلم کے کیمپ کی تلاش میں دو گھنٹے صرف کرنے پڑے کیونکہ میں منیٰ سے پیدل چل کر عرفات آیا تھا۔ عرفات کی سرزمین پر چل کر اپنے قدموں کی آلودگی صاف ہوتی دکھائی دے رہی تھی ٹھیک دن کے گیارہ بجے میں اپنے خیمہ میں پہنچ گیا چند سیکنڈ ستایا پانی پیا وضو کیا اور سوا گیارہ بجے مسجد نمرہ کی جانب چل دیا۔ راستے میں کئی آدمی ملے جو واپس آ رہے تھے کہنے لگے نہ جاؤ مسجد میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہے مگر میرے قدم بڑھتے ہی گئے ایک امنگ تھی ایک خواہش تھی جس (کی تکمیل) کے لیے دل تڑپ رہا تھا، پونے بارہ بجے مسجد نمرہ کے دروازے پر تھا پولیس والے اندر جانے سے روک رہے تھے۔ مجھے بھی رُکنے کو کہا مگر کیسے رُک سکتا تھا جب حکم ہو چکا تھا۔ کہ چلے آؤ۔ جونہی دروازہ سے داخل ہو کر چند قدم آگے بڑھا تین چار حبشی بیٹھے تھے انہوں نے پاس بُلا کر جگہ دی بیٹھتے ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قربانیاں یاد آ گئیں، در نبوت پر سب کچھ نچھاور کرنے والے کی اولاد بھی حضورؐ کے غلاموں پر فدا ہو رہی ہے مسجد نمرہ میں بیٹھ کر خیال آیا تو وجود پگھل چکا تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ نہ جانے اتنے آنسو کہاں سے آ گئے تھے۔ جو سیل رواں کی مانند بہے جا رہے تھے زبان اور دل اپنی خطاؤں کی معافیاں مانگے جا رہے تھے۔ انوارات الوہیت سے ہر سُو سُرخی

چھائی تھی، جو وقت وہاں رہا اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہا۔ ساتھ ہی اپنی قسمت پر نازاں تھا کہ اتنا خطاکار اپنے مالک حقیقی کا قرب حاصل کیے ہے۔ سابقہ گناہ سے معافی مل چکی ہے مالک نے غلام کو گلے لگا لیا ہے خطبہ کے الفاظ کان میں پڑے تو ذہن صدیوں پیچھے چلا گیا، کانوں میں آواز گونجنے لگی۔ آج کے دن کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہے نہ گورے کو کالے نہ عربی کو عجمی پر ہاں اگر بزرگی ہے تو فقط تقویٰ کی بدولت، ساتھ ہی آئندہ کے لائحہ عمل کا اعلان ہو رہا ہے۔ لوگو! میری سنت اور قرآن کو مضبوطی سے تھامے رکھنا کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ کیا ہی عجیب منظر ہے کہ قیامت تک آنے والی مخلوق کو ایک مختصر اور سیدھا راستہ بتا دیا کہ جو بھی اختیار کرے گا جنت میں چلا جائے گا، جس نے سرمو انحراف کیا کہیں کا بھی نہ رہا یہی دن تھا جب تکمیل دین ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے لیے دین اسلام پسند فرمایا تھا۔ مسجد سے فارغ ہو کر کیمپ آیا تو معلم کے ملازم کھانا تقسیم کر رہے تھے۔ چند لقمے نوش جاں کیے اور جبلِ رحمت کی سمت چل نکلا۔ کافی کوشش کے باوجود بھی پہاڑی پر چڑھ نہ سکا بھیڑ اتنی تھی کہ خدا کی پناہ پہاڑی کے نزدیک سڑک پر کھڑے ہو کر دعائیں مانگنا شروع کیں اور اتنی مانگیں کہ جتنی مانگ سکتا تھا بلکہ توقع سے زیادہ ہی مانگ لی تھیں۔ حتیٰ کہ سورج اپنی آخری منزل طے کرنے لگا ادھر مالک کا حکم ہو چکا تھا مغرب ہو رہی ہے۔ فوراً میدان خالی کر دو۔ سورج آنکھوں سے اوجھل ہوا ہی تھا کہ دھماکہ ہوا اور انسانوں کا سیلاب مزدلفہ کی طرف رواں تھا، بسیں، ویگنیں، کاریں رواں تھیں۔ پیدل چلنے والوں کا بھی حساب نہ تھا۔ حدِ نظر آدمی ہی آدمی دکھائی دے رہے تھے میں پیدل ہی مزدلفہ کو روانہ ہوا۔ تقریباً گھنٹہ بھر چلا کہ مزدلفہ کی وادی میں ایک جگہ پہنچ کر قیام کا ارادہ کیا۔ پانی نزدیک ہی تھا۔ وہاں جا کر وضو کیا مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں۔ دعائیں مانگیں ریت پر بستر لگایا۔ اور لیٹ کر درود شریف پڑھنے لگا۔ بس کیا تھا دن کا تھکا ہوا مسافر ریت کی گود میں خراٹے لے رہا تھا۔ غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم چومنے والی ریت گرمی کے باوجود ٹھنڈی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ہر مہمان کو اپنے دامن میں جگہ دے رہی تھی اور راحت و آرام میسر کر رہی تھی۔

کافی وقت آرام میں گزر گیا کہ فوراً آنکھ کھل گئی۔ اٹھا وضو کیا مالک کے دربار میں حاضر ہو گیا نوافل ادا کیے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا۔

اسی دھن میں مگن بیٹھا ریت میں کنکر تلاش کرنے لگا۔ آنکھوں سے آنسو رواں، زبان پر استغفار اور ہاتھ کنکریاں تلاش کرنے میں سرگرداں، کافی کنکریاں اکٹھی کر لیں۔ انہیں ایک رومال میں باندھنے لگا کہ ادھر سے مؤذن نے صدائے اللہ اکبر بلند کی۔ نزدیک نزدیک میں جاگزیں ساتھی اکٹھے ہونا شروع ہو گئے، دیکھتے ہی دیکھتے خاص تعداد بن گئی۔ نماز باجماعت ادا کی بیٹھ کر استغفار پڑھنے لگا۔ وقت کا دھارا اپنی رفتار سے چل رہا تھا۔ سپیدہ سحر نے وادیٔ مزدلفہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہر طرف چاندی بکھری نظر آتی تھی۔ سورج کی شعاعیں پہاڑوں کی چوٹیوں کو سنہری تاج پہنانے لگیں تو میں وہاں سے منیٰ کو چل پڑا۔ مسجد الحرام کے نزدیک ناشتہ کیا۔ منیٰ جانے کے لیے ایک بس مل گئی اس میں سوار ہو کر منیٰ پہنچ گیا۔ خیمے میں کچھ وقت آرام کیا اور رمی جمار کو نکل پڑا۔ دس بجے کے قریب میں جمرۂ اولیٰ پر رمی کر رہا تھا واپس ہوتے ہی دیکھا کہ قربانی ہو چکی ہے سر کے بال منڈوائے کیمپ میں آ کر غسل کیا احرام کھولا دوسرا لباس زیب بدن کیا ہی تھا کہ زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔

خدایا این کرم بارِ دگر کن

گزارشِ احوالِ واقعی

مرزا محمد افضل بیگ

دوئی کا آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا تو نے
مجاز کو بھی حقیقت بنا دیا تو نے

یہ کیسا جامِ محبت پلا دیا تو نے
بتوں کی یاد کو دل سے مٹا دیا تو نے

کسی کے عشق میں گمراہ ہو چلا تھا میں
خدا کی راہ پہ مجھ کو لگا دیا تو نے

فریبِ ہستی ناپائیدار کھا جاتا
خدا کا شکر کہ آکر بچا دیا تو نے

خدا کی شان! وہ پہچانتے نہیں مجھکو
نگاہِ شیخ! مجھے کیا بنا دیا تو نے

وہ جس کو دیکھ کے موسیٰ کو غش ہوا تھا کبھی
خوشا نصیب وہ جلوہ دکھا دیا تو نے

سرور و کیف میں ڈوبی ہوئی ہے روح مری
نہ جانے کونسا نغمہ سنا دیا تو نے

ہوا نصیب نہ جو جیتے جی سکندر کو
مجھے وہ آبِ بقا بھی پلا دیا تو نے

نگاہِ لطف سے حسرت نصیب افضل کو
زمانے بھر کے غموں سے چھڑا دیا تو نے

پاکستان میں مسلمانوں کا مستقبل

شمسہ مظفر

المرشد اگست کا شمارہ پڑھتے ہوئے مولانا صاحب کا مضمون "برطانیہ میں مسلمانوں کا مستقبل" زیر نظر گذرا تو بے اختیار ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ آیا اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مسلمانوں کا مستقبل محفوظ ہے تو بہت سوچنے پر بھی اس کا جواب نفی میں ہی ملا مستقبل کی بات تو تب کی جاسکتی ہے جب مستقبل کو بنانے والے ہاتھ مضبوط ہوں۔ ذہن صحت مند ہوں تو مستقبل بھی روشن ہونے کی توقع ہوتی ہے۔

آج کل ریڈیو ٹی وی، اخبارات میں تو سیمینارز ہوتے ہیں کہ

نوجوان نسل کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔

کیا نوجوان نسل بگڑ چکی ہے۔

کیا نوجوان نسل اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہی ہے۔

جبکہ ایسے سیمینارز کی بھی اشد ضرورت ہے کہ کیا ہماری پرانی نسل اپنی ذمہ داریاں کما حقہٗ ادا کر رہی ہے۔

کیا جس اخلاقی اور ذہنی تربیت کی نوجوان نسل کو ضرورت ہے وہ پوری کی جا رہی ہے۔

اگر آپ اس پر بہت غور کریں تو آپ کو اس کا جواب نفی میں ہی ملے گا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ہماری اس نوجوان نسل کے ہاتھ میں کتابوں کی جگہ کلاشنکوف نے نہ لے لی ہوتی۔

آج اس نوجوان کا گریبان چاک اور منہ میں پان سگریٹ نہ ہوتا یہ نسل ہیروئن کے نشے میں مدہوش وخرد کی دنیا سے بیگانہ نہ ہوتی تو جب یہ سب کچھ ہوگا تو اس نسل سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلامی نظام لائے گی تو یہ سوچ بھی عبث ہوگی۔

آج کا نوجوان مارکسزم سوشلزم کے بارے میں تو بڑھ چڑھ کر دلائل دینے میں بڑا فخر محسوس کرتا ہے (چاہے وہ اس کے بارے میں جانتا کچھ بھی نہ ہو۔)

مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ اسلام ازم سے زیادہ خوبصورت اور مکمل نظام اور کوئی نہیں اس سلسلے میں اگرچہ مرحوم صدر کی حکومت نے اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کافی کچھ کیا ہے۔ اور بہت کچھ کرنے کا ارادہ بھی رکھتے تھے۔

مگر شاید منیر نیازی کے اس شعر کی طرح۔

منیر اس ملک پر آسیب کا سایہ ہے یا کیا ہے
کہ حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ

لکھتے ہوئے میرے ذہن میں روزمرہ زندگی کے بے شمار واقعات گزر رہے ہیں جن کو دیکھ کر ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہم اخلاقی طور پر کس حد تک دیوالیہ ہو چکے ہیں۔

اس سلسلے میں اگر آپ وڈیو پر اُس پاکستانی بہن بھائی کو لیں جو ایک دوسرے کے ساتھ بیہودہ ڈانس اور لچر گانے گا رہے ہوتے ہیں۔ تو اِس سے آپ اپنے اعلیٰ مستقبل میں جھانک سکتے ہیں۔ یا پھر اس غیرت مند بھائی کو ہی لے سکتے ہیں جس نے اپنی بہن کے ساتھ ایک ڈرامے میں کام کرنے کے بعد ایک میگزین کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ اگر اسلام بہن سے شادی کی اجازت دیتا تو وہ ضرور اپنی بہن سے ہی شادی کرتا۔

گویا کہ اسلام نے اجازت نہ دے کر اس پر بڑا ظلم کیا ہے۔ ابھی گذشتہ دنوں کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے کہ اپنے ایک جاننے والے ریٹائرڈ آفیسر کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ ہاتھ میں تسبیح پکڑے برآمدے میں بڑی بے قراری سے چہل قدمی کر رہے تھے استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ اُن کی پوتی کے ایک بوائے فرینڈ نے انہیں سخت پریشان کر رکھا ہے۔

آج کل ہمارے ایک روزنامہ میں ایک مشہور فلمی ایکٹریس کی داستان حیات سلسلہ وار قلم بند ہو رہی ہے۔

موصوفہ فرماتی ہیں کہ "میں اور میرے ہونے والے شوہر جب لندن پہنچے تو لندن کی جامع مسجد کے سربراہ کو جب ہمارے بارے میں معلوم ہوا کہ ہم دونوں عنقریب ایک دوسرے سے شادی کرنے والے ہیں تو اصرار کرنے لگے کہ ملک کے اس عظیم فلمی جوڑے کا نکاح میں پڑھاؤں گا تاکہ مجھے یہ شرف حاصل رہے کہ اس عظیم فلمی جوڑے کا نکاح میں نے پڑھایا ہے"۔ اگر یہ سچ ہے تو "عظمت" کے اس پیمانے پر سر دُھنیئے۔ اور فن کاروں کے آئے دن "پرائیڈ آف پرفارمینس ایوارڈ" کے اثرات ملاحظہ فرمائیے کہ کیسے کیسے ذہنوں کو مفلوج کر دیا گیا ہے۔

یہ سب دیکھ کر تو شاید یہ مثل لاگو آتی ہے کہ

مسلمانان در گور . . . . . . مسلمانی در کتاب

مگر نہیں اس سے پہلے کہ ہمارے صاحبِ علم لوگوں کے نزدیک عظمت کا یہی معیار مقرر ہو جائے ہمیں اپنا قبلہ درست کر لینا چاہیے۔ نئے ذہنوں کو مفلوج کر کے اپنے ناپاک عزائم حاصل کرنے کی بھارتی یلغار نے ہمیں سقوطِ مشرقی پاکستان کے سانحہ سے دوچار کیا اور اُسی دشمن کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے آج پاکستان علاقائی، نسلی، صوبائی تعصبات میں بٹا ہوا ہے۔

کراچی جسے عروسِ پاکستان کا فخر حاصل ہے اس میں آگ اور خوف کی ہولی کھیلی جا رہی ہے۔

وہ جسے روشنیوں کا شہر کہا جاتا ہے وہ اب اندھوں اور اندھیروں کا شہر بن گیا ہے گویا کہ:۔

ے پہلے تھا ہم کو ناز کہ اپنا ہر ایک شہر
سایوں کا شہر سویروں کا شہر ہے
لیکن ہے اب یہ حال کہ یہ روشنی کا شہر
اندھوں کا شہر اندھیروں کا شہر ہے

ہمیں اپنے شہروں کو روشنیوں کے شہروں میں ہی تبدیل کرنا ہوگا۔ ہمیں غدارانِ وطن کے مذموم عزائم سے باخبر رہنا ہوگا کیونکہ ابھی یہ تعداد میں مٹھی بھر ہیں اور ان پر قابو پانا آسان ہے کیونکہ مچھلی ایک چھوٹا سا جانور ہے جب یہ چھوٹی ہوتی ہے تو ہم اسے کھا سکتے ہیں۔ اور جب یہ بڑی ہو جاتی ہے تو ہمیں کھا سکتی ہے اور جب یہ بہت بڑی ہو جاتی ہے تو ہمارے بڑے بڑے جہازوں کو ڈبو سکتی ہے۔

آخر میں یہ ہی کہہ سکتی ہوں کہ:۔

ے آؤ ہم ریت میں وہ نقش چھوڑ چلیں
جن کی آتی ہوئی نسلوں کو ضرورت ہوگی

سات اور ۷

محمد صدیق اعوان

میں سات آسمانوں کا۔ قوس قزح کے سات رنگوں کا یا دنیا کے سات عجائبات کا ذکر نہیں کر رہا ہوں نہ میں اپنے سات لطائف کا ذکر کر رہا ہوں، بلکہ دین اسلام میں بہت جگہوں پر سات کا ذکر ہوا ہے۔ آج ہم اُن سات باتوں کو دوبارہ یاد کرتے ہیں۔ تاکہ ایمان تازہ ہو جائے۔

ایمان کی بنیاد سات باتوں پر ہے

صفت ایمان مفصل میں سات باتیں ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔

(۱) ایک اللہ پر ایمان لانا
۲۔ فرشتوں پر ایمان لانا
۳۔ اس کی کتابوں پر ایمان لانا۔
۴۔ اس کے رسولوں پر ایمان لانا
۵۔ یوم الآخر پر ایمان لانا
۶۔ اچھی اور بُری تقدیر اللہ کی طرف سے ہے پر ایمان لانا
۷۔ مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھائے جانے پر ایمان لانا

ارکان دین سات ہیں

بہت لوگ یہ کہتے ہیں کہ ارکان دین پانچ ہیں۔ درحقیقت پہلے پانچ ارکان دین قانونی ہیں اور دوسرے دو حقیقی ہیں۔

۱۔ کلمہ طیبہ صفت ایمان مفصل اور مجمل پڑھنے سے ایک آدمی مسلمان ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے سو نام ہیں جن میں ننانوے ۹۹ صفاتی نام ہیں، یعنی اللہ کی صفات ہیں۔

اس طرح یہ پہلا رکن ہوا جسے رکن ایمان کہتے ہیں۔

۲۔ نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے جس کے تمام مسائل ہر مسلمان کو جاننا ضروری ہے۔ اور پانچ وقت نماز پڑھنا فرض ہے۔

۳۔ زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے کتنے اور کس مال پر زکوٰۃ فرض ہے اور کون مستحق ہے یہ جاننا بہت ضروری ہے۔

۴۔ روزہ چوتھا رکن ہے۔ روزے کے بھی مسائل جاننا ضروری ہے۔

۵۔ حج دین اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ جو مسلمان جب بھی صاحب حیثیت ہو جائے اس کو پہلی فرصت میں حج کرنا لازم ہے۔

۶۔ نہی عن المنکر و امر بالمعروف دین اسلام کا چھٹا حقیقی اور سب سے ضروری رکن ہے۔ تمام دین کے مسائل اس میں ہیں۔ بظاہر تو اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ خود اچھے کام کرنا بُرے کاموں سے بچنا اور دوسروں کو اچھے کام بتانا اور بُرے کاموں سے روکنا لیکن ہمیں کیا کرنا ہے۔ کب نہیں کرنا۔ عبادات کون سی ہیں۔ اچھے کام کون سے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کیا ہیں۔ غرض تمام دینی تعلیمات اس میں ہیں اور اس کو سیکھنا اس پر عمل کرنا اور دوسروں کو بتانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ یہ سب سے بڑا اور ضروری رکن دین اسلام کا ہے۔ صبح سے شام تک شام سے صبح تک پیدائش سے موت تک ہمیں کیا کرنا ہے سب کچھ اسی رکن میں ہے

۷۔ جہاد دین اسلام کا ساتواں رکن ہے۔ اس کے تین ضروری حصے ہیں۔

ا۔ جہاد بالنفس۔ یہ اس کی پہلی اور افضل قسم ہے یعنی اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا سب سے بڑی عبادت ہے۔

ب۔ جہاد بالمال۔ اللہ پاک نے جو کچھ مال و اسباب و علم انسان کو عطا کیا ہے۔ وہ مستحق لوگوں پر خرچ کرنا یہ بھی بہت بڑی عبادت ہے۔

ج۔ جہاد بالجان یعنی اللہ کی راہ میں قتال کرنا۔ اگر کوئی مسلمان زندگی میں اپنے دل میں جہاد کی نیت سچے دل سے نہ کرے تو وہ مومن کے درجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ نیت یہ ہے۔ اے اللہ مجھے دین اسلام کی خاطر شہید کرنا۔ میری موت شہید کی موت ہو۔

جنت الفردوس کے وارثوں میں سات باتیں پائی جاتی ہیں

سورۃ المومنون کی آیت نمبر ایک سے لے کر آیت نمبر گیارہ تک ایسے لوگوں کا تذکرہ ہے

۱۔ جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں۔
۲۔ جو لغو باتوں سے (خواہ قولی ہو یا فعلی) دور رہنے والے ہیں۔
۳۔ اور وہ جو (اعمال و اخلاق زکوٰۃ صدقات میں) اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔
۴۔ اور اپنی شرمگاہوں کی (حرام شہوت رانی سے) حفاظت رکھنے والے ہیں۔
۵۔ اور جو اپنے سپرد کی ہوئی امانتوں کا خیال رکھتے ہیں۔
۶۔ اور جو اپنے عہدوں کا خیال کرتے ہیں (یعنی وعدہ کا خیال رکھنے والے)
۷۔ اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔

"پس ایسے ہی لوگ جنت الفردوس کے وارث ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

۴۔ گناہ کبیرہ

بخاری اور مسلم کی یہ حدیث ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔

۱۔ خدا کے ساتھ شرک کرنا۔
۲۔ اور جادو
۳۔ اس جان کو قتل کرنا جسے خدا نے محرم قرار دیا ہو سوائے اس کے کہ اسے حق سے قتل کیا جائے۔
۴۔ اور سود کھانا
۵۔ اور یتیم کا مال کھانا
۶۔ اور کافروں کے مقابلے میں جنگ کرتے ہوئے پیٹھ دکھانا
۷۔ پاک دامن مومن بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانا۔

(ایک دوسری حدیث میں ہے ماں باپ کی نافرمانی کرنا جھوٹی گواہی دینا جھوٹ بولنا اور حرام کھانا بھی گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے۔

۶۔ ناپسندیدہ عورت کے سات خواص ہیں

اسوۂ حسنہ بنت اسلام کی تیسری جلد میں مختلف حدیثوں کو اکٹھا کیا گیا ہے جس میں ناپسندیدہ عورت کے مندرجہ ذیل سات خواص لکھے گئے ہیں۔

۱۔ عورت کا اپنے شوہر سے بے وجہ طلاق مانگنا۔
۲۔ کسی عورت کو طلاق دلانے کا مطالبہ کرنا۔
۳۔ اپنے لباس وغیرہ میں مردوں کے مشابہ ہونے کی کوشش کرنا
۴۔ خوشبو لگا کر نامحرم مردوں کے پاس سے گزرنا۔
۵۔ اتنا باریک لباس پہننا جس سے جسم نظر آتا ہو۔
۶۔ اپنی زیب و زینت کو نامحرموں پر ظاہر کرنا۔
۷۔ حیا اور حجاب کے اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے نامحروں کی طرف مائل ہونا اور انہیں اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرنا

سات آدمی قیامت کے دن عرش کے سائے میں ہوں گے جس دن کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

۱۔ عادل حاکم یا بادشاہ
۲۔ وہ جوان جو جوانی کے دور سے ہی اللہ کی عبادت میں رہے۔
۳۔ وہ شخص جس کا دل سجدہ میں لگا ہو۔
۴۔ وہ مرد جنہوں نے اللہ کے لیے محبت رکھی اسی پر قائم رہے اور اسی پر مرے۔
۵۔ وہ مرد جسے خوبصورت عورت برے کام کے لیے بلائے اور وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔
۶۔ وہ مرد جس نے دائیں ہاتھ سے صدقہ ایسے چھپا کر دیا کہ بائیں کو بھی خبر نہ ہو۔ (بخاری)

۷۔ ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر سات حقوق ہیں

۱۔ بیمار پرسی کرنا
۲۔ جنازے کے ساتھ جانا۔
۳۔ چھینک کا جواب دینا
۴۔ سلام کا جواب دینا
۵۔ مظلوم کی مدد کرنا
۶۔ دعوت قبول کرنا
۷۔ قسم دینے والے کی قسم پوری کرنا۔ (بخاری)

تصوّف کیا نہیں؟

تصوّف کے لیے نہ کشف و کرامات شرط ہے نہ دُنیا کے کاروبار میں ترقّی دِلانے کا نام تصوّف ہے، نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دُور کرنے کا نام تصوّف ہے، نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوّف ہے، نہ قبروں پر سجدہ کرنے، ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوّف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوّف ہے نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا مشکل کُشا اور حاجت رَوا سمجھنا تصوّف ہے، نہ اِس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجّہ سے مُرید کی پُوری اِصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دَولت بغیر مجاہدہ اور بِدُون اِتّباعِ سُنّت حاصل ہو جائے گی ۔ نہ اِس میں کشف و اِلہام کا صحیح اُترنا لازمی ہے اور نہ وَجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوّف ہے ۔ یہ سب چیزیں تصوّف کا لازمہ بلکہ عین تصوّف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوّفِ اِسلامی کا اِطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اِسلامی تصوّف کی عین ضِد ہیں ۔

(دلائل السُّلوک)

ہماری مطبوعات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

○ تصوف

تعارف ــــ
دلائل السلوک (اردو) ــــ
دلائل السلوک (انگریزی) ــــ روپے
اسرار الحرمین ــــ روپے
عقائد و کمالات علماء دیوبند ــــ روپے
علم و عرفان ــــ روپے

○ حیات بعد الموت :

سیف اویسیہ ــــ روپے
حیاتِ برزخیہ ــــ روپے
حیاتِ انبیاء ــــ روپے
حیاتُ النبیؐ ــــ روپے
مذاہب اربعہ اہل سنّت کی نظر میں ــــ روپے

○ شیعیّت ۔ تحقیقی مطالعہ :

الدین الخالص ــــ روپے
ایمان بالقرآن ــــ روپے
تحذیر المسلمین ــــ روپے
تفسیر آیاتِ اربعہ ــــ روپے
تحقیق حلال و حرام ــــ روپے
حرمتِ ماتم ــــ روپے
ایجادِ مذہب شیعہ ــــ روپے
شکست اعدائے حسین رضؓ ــــ روپے
دامادِ علی رضؓ ــــ روپے
بناتِ رسول ؐ ــــ روپے
الجمال والکمال ــــ روپے
عقیدۂ امامت اور اس کی حقیقت ــــ روپے

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اسرار التنزیل فی حصہ ــــ روپے
چار پارے (مکمل و مجلد) ــــ روپے
دیارِ حبیبؐ میں چند روز ــــ روپے
ارشاد السالکین (اول) ــــ روپے
ارشاد السالکین (دوم) ــــ روپے
امیر معاویہ رضؓ ــــ روپے
راہئی کرب و بلا ــــ روپے
عصرِ حاضر کا امام ــــ روپے
شیعہ مذہب کے بنیادی عقائد ــــ روپے
حیاتِ طیبہ ــــ روپے

پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے اسلامیات و عربی

ذکر اللہ (عربی) ــــ روپے
لغزشیں ــــ روپے
اطمینانِ قلب ــــ روپے
تصوف و تعمیر سیرت ــــ روپے
کس لیے آتے تھے؟ ــــ روپے
خدایا ایں کرم بار دگر کن ــــ روپے
بزم انجم ــــ روپے
دین و دانش ــــ روپے
کونوا عباد اللہ ــــ روپے
انوار التنزیل ــــ روپے
مغالطے ــــ روپے

سول ایجنٹ : اویسیہ کتب خانہ
الوہاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور